ابنِ صفی

جلد نمبر
28

جاسوسی دنیا

85- دھواں اٹھ رہا تھا

86- فرہاد ۵۹

87- زہریلا آدمی

جاسوسی دنیا نمبر 87

زہریلا آدمی

(مکمل ناول)

پیش رس

لیجیئے بہت دنوں بعد پھر ایک ایسی کہانی دے رہا ہوں جسے آپ عرصہ تک یاد رکھ سکیں۔

اس کہانی کا مجرم جنسی کجروی (یا شاید گمراہی) کا شاہکار ہے۔ لیکن بھئی نہ تو یہ امریکن فلمیں دیکھ کر مجرم بنا ہے اور نہ جاسوسی ناول پڑھ کر۔ جنسیت کے معاملہ میں اسے مجرمانہ ذہنیت ورثہ میں ملی تھی۔ وہ خود بھی اس کا اعتراف کرتا ہے لیکن اس کے جرائم کی ابتداء جنسی گمراہی سے نہیں ہوتی۔ جو کچھ بھی ہوا تھا غلط فہمی کی بناء پر ہوا تھا۔ اسے اس کی پاداش میں جو سزا ملی وہ بڑی گھناؤنی اور انسانیت سوز تھی.... پھر کیا ہوا....؟

اس کہانی میں تو وہ اس منزل پر ملے گا جہاں پھانسی پانے کا تصور بھی اس کیلئے جنسی استلذاذ کا ذریعہ بن گیا تھا کہ یہ اذیت طلبی (Masochism) کی انتہا نہیں ہے۔ اس نے دوسروں کو مار ڈالنے کے لئے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا کہ خود کو اژدھا تصور کر سکے۔ میری دانست میں اسے بھی (Sadistic) رجحانات کی انتہا ہی سمجھنا چاہئے۔ اذیت پسندی کے علاوہ "استلذاذ" (Incest) بالا قارب کا بھی شاہکار تھا۔ کاش اسکی ایک غلط فہمی اتنی بڑی سزا کا باعث نہ بنتی۔ کاش پہلی غلطی پر وہ کسی "اصلاح خانے" کے سپرد کر دیا گیا ہوتا۔ بچوں کو سزا دینے کے سلسلے میں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے، ہمیشہ یاد رکھئے۔

اس کے علاوہ حمید کی قاسم سے اولین ملاقات کیسے اور کن حالات میں ہوئی، اس کی روداد بھی آپ جان سکیں گے۔ یہ اس دور کی کہانی ہے جب کیپٹن حمید اور کرنل فریدی سارجنٹ اور انسپکٹر تھے۔ انہیں فوجی اعزاز نہیں ملے تھے۔ بہتیروں کی ایک پرانی خواہش کے مطابق اس کہانی میں انور اور رشیدہ بھی پیش کئے جا رہے ہیں۔

ابن صفی

۱۵ فروری ۱۹۶۰

آغاز

کرائم رپورٹر انور نے اپنی جیبیں ٹٹولیں اور ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ گالوں پر تو پہلے ہی ہاتھ پھیر کر بڑھے ہوئے شیو کی چبھن محسوس کر چکا تھا۔ خیر شیو تو اتنا بھی بڑھ سکتا تھا کہ اسے ڈاڑھی کہتے اور انور کچھ دنوں تک پھندنے والی قدیم رومن کیپ پہنے پھرتا اور لوگ یہی سمجھتے کہ شاید خدا نے اُسے نیک توفیق عطا کر ہی دی آخر کار۔

لیکن.... سگریٹ کا مسئلہ پیسوں کے بغیر کیسے حل ہوتا۔ ادھر بہت دنوں سے اسے کوئی ایسا اہم پرائیویٹ کیس بھی نہیں ملا تھا جس میں تین ہی ہندسے والی کسی رقم سے مڈبھیڑ ہوتی۔ بس لے دے کر اس تنخواہ سے کام تھا جو اسٹار کے دفتر سے ملتی تھی۔ لیکن وہ تو شاید پورے ایک ماہ کی سگرٹوں کی بھی کفالت نہ کر سکتی۔ اس نے آج تک فاقے تو نہیں کئے تھے البتہ اکثر سگرٹوں کو ضرور ترس گیا تھا۔ کچھ بھی ہو۔ اس نے سوچا آج یقینی طور پر ردی فروشی کرنی پڑے گی۔ رشیدہ سے بھی کچھ مل جانے کی توقع نہیں تھی کیونکہ اس نے پچھلی شام ہی کو معذوری ظاہر کر دی تھی جب انور نے اس کے سامنے سگرٹوں کا خالی ڈبہ بجانا شروع کر دیا تھا۔

اس نے ایک بار پھر ان شیلفوں پر نظر ڈالی جن میں اخبارات اور رسائل بھرے ہوئے تھے۔ ان کا وزن ڈیڑھ یا دو من سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔

''ادبی خدمت.... آٹھ آنے سیر۔'' اس نے خوانچہ دانوں کے سے انداز میں آہستہ سے آواز لگائی۔

اور پھر ان شیلفوں کو خالی کرنے کے لئے آگے بڑھا ہی تھا کہ رشیدہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کا موڈ کچھ خراب معلوم ہوتا تھا۔

''کیا میں تمہارے باپ کی نوکر ہوں۔'' اس نے خواہ مخواہ پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔

''باپ ہی سے پوچھو۔'' انور نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور شیلف کے خانے میں ہاتھ ڈال کر رسائل کی ایک تہہ نیچے فرش پر گرالی۔

''نہیں تمہارے ملاقاتی یہی سمجھتے ہیں۔''

''میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔''

''کیا....؟''

انور نے خاموشی سے رسائل کی دوسری تہہ بھی فرش پر گرائی.... وہ رشیدہ کی طرف متوجہ نہیں تھا لیکن رشیدہ اُسے بدستور گھورے جا رہی تھی۔

انور نے جماہی لی اور کراہ کر بولا۔ ''یہ کام بھی جلد ہی ہونا چاہئے۔ غالباً اس وقت تمہیں فرصت ہے۔''

''دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ میں ردی بیچنے جاؤں گی۔''

''اور نہیں تو کیا میں بیچوں گا۔'' انور غصیلے انداز میں اس کی طرف مڑا۔

''بکواس بند کرو۔ وہ بہت غصے میں ہے.... تعجب نہیں کہ بُری طرح پیش آئے۔''

''کون....؟''

''میں نہیں جانتی۔''

''کہاں ہے۔''

''اپنے فلیٹ میں بٹھا آئی ہوں۔''

''کیوں؟ میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ....!''

''پوری بات سنو۔'' رشیدہ کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔ ''وہ کہہ رہا تھا کہ اگر آج تصفیہ نہ ہوا

تو....ایک آدھ قتل بھی ہو سکتا ہے۔''

''اوہ....!'' انور نے سنجیدگی اختیار کرنے میں جلدی کی۔''غنڈہ ہے کوئی۔''

''ہوش کی دوا کرو۔ غنڈہ ہوتا تو میں اسے اپنے فلیٹ میں بٹھاتی۔''

''کیا اس نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے۔''

''تم سنتے کیوں نہیں۔ میں کہہ رہی ہوں کہ اس سے گفتگو کر کے جلد از جلد یہاں سے کھسکانے کی کوشش کرو۔''

''سوال یہ ہے کہ تم نے اسے اپنے فلیٹ میں بٹھایا کیوں؟ براہِ راست یہیں کیوں نہ بھیج دیا۔''

''او....انور کے بچے....میں اسے ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی....تیغ بے نیام ہو رہا تھا۔''

''اچھی بات ہے۔ اس کا....کارڈ....!''

''اس نے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ لیکن گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ شاید وہ تمہیں بلیک میلر سمجھتا ہے۔''

''تمہاری کیا رائے ہے میرے متعلق۔''

''انور....!'' رشیدہ دانت پیس کر بولی۔''کیا یہ ضروری ہے کہ تم اسی وقت میری رائے بھی جاننا چاہو۔ میں کہتی ہوں سے جلد از جلد رخصت کرنے کی کوشش کرو۔''

''یہ کام تم بھی کر سکتی ہو۔'' انور نے لاپروائی سے کہا اور پھر شیلف کی طرف مڑ گیا۔

''تو تم یہ بھی نہیں معلوم کرنا چاہتے کہ وہ ہے کون۔'' رشیدہ نے اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اس وقت تو میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ردی کتنے دام دے نکلے گی۔''

''اچھی بات ہے۔'' رشیدہ دروازے کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔''مگر ہوشیار رہنا....وہ تیر کی طرح ادھر ہی آئے گا۔''

انور نے اس کی طرف مڑے بغیر بے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

اجنبی دراز قد صحت مند اور وجیہہ تھا۔ عمر تقریباً چالیس سال ہی ہوگی۔ نیلے رنگ کے سوٹ میں تھا۔ سر پر مخصوص وضع کی سفید پگڑی تھی... چپکی ہوئی سی یعنی اتنی مدور نہیں تھی کہ گالوں کی سطح سے ابھری ہوئی معلوم ہوتی۔

رشیدہ کی آمد پر وہ اٹھا نہیں تھا بلکہ اس انداز میں اسے گھورتا رہا تھا جیسے وہ دنیا کی کوئی بدترین مخلوق ہو۔

رشیدہ کو اس کی اس حرکت پر بے حد تاؤ آیا۔ لیکن وہ خاموش ہی رہی۔

''کیوں....؟'' اجنبی کا لہجہ بھی غصہ بڑھانے کے لئے کافی تھا۔

''وہ اتنے سویرے کسی سے بھی ملنا پسند نہیں کرتا۔'' رشیدہ نے کہا۔

''مگر مجھ سے تو ملنا ہی پڑے گا۔'' اجنبی پرسکون لہجے میں بولا۔ طرز گفتگو میں خود اعتمادی کی جھلکیاں تھیں۔ وہ چند لمحے خاموشی سے خلاء میں گھورتا رہا پھر بولا۔ ''تمہارا اس سے کیا رشتہ ہے.... مگر تم تو بہت شریف لڑکی معلوم ہوتی ہو۔''

''شکریہ....!'' رشیدہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''میں اس کی دیکھ بھال کرتی ہوں اور ہم دونوں ایک دوسرے کے سب کچھ ہیں۔''

''اوہ.... مسز انور....!''

''جی نہیں۔''

''خیر.... خیر....!'' اجنبی کا لہجہ خشک تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے لہجے کی اچانک تبدیلی کا باعث کوئی فوری خیال بنا ہو۔

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''کیا تم لوگوں کی حالت بہتر نہیں ہے۔''

''میں سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔'' رشیدہ کو پھر تاؤ آ گیا۔

''ضرورت بھی نہیں ہے۔'' اجنبی کے لہجے کی خشکی بدستور قائم رہی۔ ''بھونکنے والے کتے

پر پتھر چلاؤ تو وہ اور زیادہ شور مچائے گا.... پھر کیوں نہ پتھر کی بجائے کوئی ایسی چیز پھینکی جائے جو اس کے حلق سے اتر سکے۔"

اجنبی خاموش ہوکر اپنا بریف کیس کھولنے لگا.... رشیدہ کسی بھوکی شیرنی کی طرح اُسے گھورے جارہی تھی۔

بریف کیس سے دس دس کے نوٹوں کی دو گڈیاں نکلیں اور اجنبی نے رشیدہ کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ بھونکنے والے منہ چلانے میں مشغول ہوجائیں اور راہی چپ چاپ آگے بڑھ جائے۔ کیا خیال ہے اچھی لڑکی۔"

"تم ہماری توہین کررہے ہو مسٹر۔"

"میرا کوئی نام نہیں ہے۔" اجنبی مسکرایا اور نوٹ کی گڈیوں کو میز پر ڈالتا ہوا اٹھ گیا۔ چند لمحے رشیدہ کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر سفاکانہ لہجے میں بولا۔ "اگر وہ منہ چلانے میں مشغول نہ ہوجائیں تو پھر ایسے کتوں کو گولی ماردی جاتی ہے۔ تم اس سلسلے میں رانا پرمود کا حوالہ دے سکو گی۔"

پھر وہ اتنی تیزی سے کمرے سے نکل گیا کہ رشیدہ نوٹوں کی گڈیاں اس کے منہ پر بھی نہ مار سکی۔

سارجنٹ حمید جھوم جھوم کر ماؤتھ آرگن بجارہا تھا۔ دفعتاً ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

"صاحب.... یہاں سناٹا چاہتے ہیں۔" نوکر گھگھیایا۔ "میری شامت آجائے گی سرکار۔"

"اچھا....!" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "تیری یہ مجال....!"

"سرکار.... سرکار۔" نوکر اور شدت سے گڑگڑایا۔

''قبروں پر بھی قوالیاں ہوتی ہیں لیکن یہ زندہ شہید سناٹا پسندی کے مرض میں مبتلا ہے۔ اے خدا.... میں کیا کروں۔''

نوکر چپ چاپ کمرے سے نکل گیا اور حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

ایک ہفتے سے گھر میں سناٹا تھا۔ قبرستان کا سا سناٹا۔ صرف کبھی کبھی کتے بھونکنے لگتے تھے۔ ان کے متعلق حمید کا خیال تھا کہ وہ بھی یہی پوچھتے ہیں آخر سناٹا کیوں؟

ایک ہفتے سے اس نے فریدی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ لیکن وہ اس وقت بھی اوپری منزل پر اپنی تجربہ گاہ میں موجود تھا۔ ہوسکتا ہے وہ باہر بھی جاتا رہا ہو اس دوران میں۔ لیکن حمید کو علم نہیں ہوتا تھا کیونکہ عقبی پارک کی طرف بھی زینے تھے۔ فریدی بہ آسانی اس طرح باہر جاسکتا کہ کسی کو خبر نہ ہوتی۔

حمید کو علم تھا کہ سپرنٹنڈنٹ مارش اسمتھ نے کوئی کیس اس کے سپرد کیا ہے۔ لیکن ابھی تک اسے کیس کی نوعیت نہیں معلوم ہوسکی تھی۔

بہر حال وہ کوئی ایسا ہی کیس تھا جس کے لئے تجربہ گاہ میں بھی وقت گزارنا ضروری ہوتا۔

''زندگی!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ چند لمحے کلاک پر نظر جمائے رہا پھر ماؤتھ آرگن کو جیب میں ڈالتا ہوا اٹھ گیا۔

فریدی کی خواب گاہ میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ تیزی سے باہر نکلا۔ گھنٹی بند ہوگئی۔ غالباً فریدی نے تجربہ گاہ والے فون کا ریسیور اٹھالیا تھا۔

حمید چپ چاپ کمرے میں داخل ہوا اور فون کا ریسیور اٹھا کر کان کے قریب لے گیا۔ فریدی کی آواز آئی۔ ''ایک منٹ ٹھہرو۔''

''بہت بہتر جناب۔'' یہ دوسری آواز تھی۔

پھر فریدی کی آواز آئی۔ ''حمید ریسیور رکھ دو۔ نکل جاؤ کمرے سے۔ نکلو۔''

حمید نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ ریسیور رکھ دیا۔ لیکن کمرے ہی میں کھڑا رہا۔ پتہ نہیں دوسری طرف کون تھا۔ فریدی کی یہ جھڑکی اس نے بھی سنی ہوگی۔ حمید نے سوچا اور اسے تاؤ

آ گیا۔

فوراً ہی گھنٹی پھر بجی۔ بجتی ہی رہی.... اس بار شاید یہ فریدی ہی کی کال تھی حمید کے لئے۔

"فرمایئے۔" حمید نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"گھنٹی بند ہو جانے پر تم نے ریسیور کیوں اٹھایا تھا۔" فریدی کے لہجے کی سختی حمید کو کھل گئی۔

"میں سمجھا تھا شاید میری ہی طرح وہ بھی بے حیا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ سنو ٹھیک ساڑھے دس بجے پریسٹیج بار میں سارجنٹ ہنری سے ملو۔"

"وہ ڈیوٹی کے اوقات میں بھی پیتا ہے۔ اگر مجھے پلا دی تو کیا ہوگا۔"

"جاؤ....!" فریدی کی غراہٹ کے ساتھ ہی سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔

رشیدہ نے نوٹوں کی گڈیاں انور کے منہ پر کھینچ ماریں۔ لیکن وہ اس کے سر پر سے گذرتی ہوئی پچھلی دیوار سے جا ٹکرائی تھیں۔

"تھپڑ رسید کر دوں گا۔" انور سیدھا ہوتا ہوا بولا۔ "آدمیوں کی طرح بات کرو۔ صبح سے اب تک سگریٹ کا ایک کش بھی نصیب نہیں ہوا۔"

"تم نے بلیک میلنگ شروع کر دی ہے۔" وہ دانت پیس کر بولی۔

"بکواس مت کرو۔ یہ بتاؤ وہ کون تھا۔"

"اس نے اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ لیکن رانا پرمود کا حوالہ دیا تھا۔"

"گڈ....!" انور کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے اٹھ کر دونوں گڈیاں اٹھائیں۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرے اکاؤنٹ میں صرف ساڑھے سات روپے باقی بچے ہیں۔ اب غالباً دو ہزار ساڑھے سات ہو جائیں گے۔"

''تم رکھو گے انہیں۔'' رشیدہ نے آنکھیں نکالیں۔

''فی الحال۔'' وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر چونک کر مسکرایا۔ ''رشو ڈارلنگ....!'' لہجہ بڑا رسیلا تھا۔

''پہلے میری بات کا جواب دو۔''

''ختم کرو.... میری بات سنو۔''

''میں ان گڈیوں کا....!''

''مت بور کرو۔'' انور کانوں میں انگلیاں ٹھونستا ہوا بولا۔ ''جاؤ اُسے تلاش کرو اور واپس کر آؤ۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''میں کہاں تلاش کروں۔''

''پھر انہیں اٹھا کر سڑک پر پھینک دو۔''

رشیدہ کچھ نہ بولی۔

''تو رشو ڈارلنگ.... یہ بینک ہی میں محفوظ رہ سکیں گے۔''

''چلو خیر.... لیکن تم نے بلیک میلنگ....!''

''خدا غارت کرے۔'' انور نے دانت پیس کر میز پر مکا رسید کیا۔ ''ختم کرو میری بات سنو۔''

''بکو....!''

''فرہاد نے شیریں کے لئے پہاڑ کھودا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ چوہا بھی نہ نکلا ہو.... شاہ جہاں نے علاؤ الدین خلجی کے لئے تاج محل بنوایا تھا۔ علاؤ الدین نے قطب مینار کے لئے رضیہ سلطانہ تعمیر کرادیا تھا لیکن تم سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ صرف ایک پیکٹ....!''

''یہ لو.... زہر مار کرو۔'' رشیدہ نے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر سگرٹوں کا پیکٹ نکالا اور اُسے اس کی طرف اچھالتی ہوئی بولی۔ ''اُدھار لائی ہوں۔''

''شکریہ تم اسی وقت بہت اچھی ہو۔ اب جاؤ.... ذرہ برابر بھی دلچسپی تم میں نہیں رہ گئی۔''

انور نے پیکٹ سنبھالتے ہوئے غسلخانہ کی راہ لی۔

رشیدہ پہلے تو بُرا سا منہ بنائے کھڑی رہی پھر بیٹھ کر غالباً اس کی واپسی کا انتظار کرنے

لگی۔ پندرہ منٹ بعد انور پھر کمرے میں داخل ہوا۔ مگر انداز ایسا ہی تھا جیسے رشیدہ کی موجودگی سے بے خبر ہو۔

''ادھر دیکھو....!'' رشیدہ دہاڑی۔

''دیکھے بغیر بھی تو کام چل ہی جاتا ہے بکے جاؤ۔'' انور ڈریسنگ ٹیبل پر جھکتا ہوا بولا۔

''رانا پرمود کا کیا قصہ ہے۔''

''پہلے تم اس نامعلوم آدمی کا حلیہ بتاؤ جو مجھے دھمکیاں دے گیا ہے۔''

''وہ....!'' رشیدہ کسی سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔ ''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''کیا سمجھ میں نہیں آتا۔''

''اس کی شخصیت.... پتا نہیں کیا خاص بات تھی۔''

''مگر تھی ضرور.... مطلب یہ کہ خاص بات۔''

''میں نے ایسی پگڑیاں آج تک نہیں دیکھیں۔ لیکن وہ اس کی شخصیت سے ہم آہنگ معلوم ہو رہی تھی۔ نیلے سوٹ میں تھا چپکی ہوئی سی پگڑی جو کنپٹیوں سے اتر کر آدھے کانوں کو ڈھانکتی تھی۔''

''عمر....!''

''شاید چالیس تک رہی ہو۔ میرا خیال ہے کہ کافی طاقتور آدمی تھا۔ بے حد اسمارٹ۔''

''مرعوب ہو گئی تھی تم....!''

''میں کہتی ہوں بکواس بند کرو۔ رانا پرمود کے متعلق بتاؤ۔''

''رانا پرمود.... ریاست ورگوری کا راجہ ہے۔ لیکن زیادہ تر یورپ میں رہتا ہے۔ یہاں اس کا سیکریٹری دیکھ بھال کرتا ہے اور کچھ.... لیکن اُسے دس سال سے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔''

''تو تم اُسے بلیک میل کر رہے تھے۔''

''تم اپنا اخبار بہت عرصے سے روزانہ دیکھ رہی ہو۔ کوشش کرو کہ میرے کالموں میں بلیک میلنگ کا کچھ مواد بھی دریافت ہو جائے۔'' انور کا لہجہ تلخ تھا۔

''مجھے تمہارے کالموں میں کبھی کوئی خاص بات نہیں ملتی۔''

''اگر ملنے لگے تو مجھے چڑی مار کہیں گے۔''

''تم نہیں بتاؤ گے۔ آخر وہ کس مسئلے پر تمہارا منہ بند کرنا چاہتا ہے۔''

انور شیو کررہا تھا۔ رشیدہ اس کی خاموشی پر پھر جھنجھلا گئی۔ بات ہی غصہ دلانے والی تھی۔

''ایک پیکٹ سگریٹ کے لئے رشو ڈارلنگ شیریں فرہاد بھی اکھڑ آئے۔ اور اب....!''

''اُو کمینے....اچھا اب میں دیکھوں گی۔'' وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ''تم مجھے نہ بتاؤ لیکن۔!''

''کچھ نہیں....!'' انور نے بات کاٹ دی۔ ''اس آدمی کے متعلق کچھ اور بھی بتاؤ۔''

''وہ تمہیں قتل کردے گا۔''

''کفن تیار رکھنا۔ میں تو مفلس ہو رہا ہوں۔''

''تم نہیں بتاؤ گے۔'' رشیدہ چیخی۔

''شاید رانا پرمود کے سیکریٹری کو وہم ہو گیا ہے کہ میں اسے بلیک میل کررہا ہوں۔''

''کس بناء پر.... شبہے کی وجہ۔ وہ خواہ مخواہ کیوں سوچنے لگا ہے بلیک میلنگ کے متعلق۔''

''ہر آدمی کے ساتھ کچھ کمزوریاں ہیں جو اسے زندگی بھر خود کو چور محسوس کرنے پر مجبور کرتی رہتی ہیں۔''

رشیدہ کسی سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔ ''کتنے دنوں کا فائیل دیکھنا پڑے گا مجھے۔''

''وقت برباد نہ کرو۔ تمہیں اخبار میں کچھ بھی نہ ملے گا۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' رشیدہ نے کہا اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

سارجنٹ حمید بار میں داخل ہوا۔ سارجنٹ ہنری فریدی کے خیال کے مطابق وہیں

موجود تھا۔ اس نے حمید کو دیکھ کر سر کو خفیف سی جنبش دی اور اس انداز میں مسکرایا جیسے منہ مانگی مراد ملی ہو۔

سارجنٹ ہنری آئر لینڈ کا باشندہ تھا۔ عمر تیس سے زیادہ نہیں تھی مگر عموماً خود پر بڑھاپا طاری کر لینے کی فکر میں رہتا تھا۔ چہرے پر بچوں کی سی معصومیت اور لاپروائی تھی۔ لیکن شوق تھا کہ سنجیدہ اور پر رعب معلوم ہو۔ اس لئے کبھی کبھی مضحکہ خیز بھی بن جاتا تھا۔ پوری تنخواہ شراب پر خرچ کر دینے کے باوجود بھی وہ "بہت کم" پیتا تھا۔ نشے میں عموماً اُسے چچا یاد آتے تھے جن کے ہاتھ پیر ایک انگریز نے توڑ دیئے تھے۔

"ہالو.... ڈارلنگ۔" وہ ڈکرا کر بولا۔ "آؤ.... آؤ.... آج میں بہت اداس ہوں۔ بیٹھو ابھی.... وہ بھی نہیں آئی۔ ضرور آئے گی۔"

حمید نے بیٹھ کر چاروں طرف اچٹتی سی نظر ڈالی پھر بیئر کی اس بوتل کو گھورنے لگا جو ابھی کھولی نہیں گئی تھی۔

"تم یہاں کب سے بیٹھ رہے ہو۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"جب سے آئر لینڈ زنجیروں میں جکڑا گیا ہے۔" ہنری نے ٹھنڈی سانس لی۔

"اُو.... ڈفر۔ میں اس وقت سیاست سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم یہاں کب سے اور کیوں بیٹھ رہے ہو۔"

"تم کیوں آئے ہو اور کس نے بھیجا ہے۔" ہنری نے غصیلے انداز میں آنکھیں نکالیں۔

حمید نے بیئر کی بوتل اٹھائی اور کاگ اڑا کر گلاس میں انڈیلتا ہوا بولا۔ "لو.... پہلے دماغ ٹھنڈا کر لو پھر دیکھیں گے۔"

"فادر کا خیال نہ ہوتا تو دیکھتا تمہیں۔" ہنری بڑبڑایا۔ وہ فریدی کو فادر ہی کہتا تھا کیونکہ شراب کے علاوہ دوسرے اخراجات بھی تو تھے جو فریدی کی جیب سے پورے ہوتے تھے۔ اس کی دانست میں ہنری بہت کام کا آدمی تھا۔ لیکن یہ بات حمید کی سمجھ میں تو ابھی تک نہیں آئی تھی۔

اس نے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں صاف کر گیا۔

''اب بتاؤ۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''وہ ایک ایسی لڑکی ہے جس پر شیلی ضرور عاشق ہو جاتا۔''

''شیلی کے بچے میں کیا پوچھ رہا ہوں۔''

''میں سن رہا ہوں جو کچھ پوچھ رہے ہو۔ لیکن مجھ سے اس کی توقع نہ رکھو کہ فادر کے حکم کے بغیر تمہیں کچھ بتا بھی دوں گا۔''

یک بیک حمید چونک پڑا۔ کیونکہ وہ لڑکی بھی اچانک ہی نازل ہوئی تھی اور چیختی ہوئی سی آواز میں ''ہلو'' کا نعرہ لگایا تھا۔

پھر اس نے بڑی بے تکلفی سے کرسی کھینچی اور بیٹھ گئی۔ غالباً یہ وہی لڑکی تھی جس کا تذکرہ ابھی ہنری نے کیا تھا۔ لیکن اس کی شکل دیکھتے ہی حمید کو بخار چڑھ آیا۔ سیاہ فام اور چیچک روتھی ویسے بھی اسکرٹ میں اور ٹامیوں کے سے لہجے میں فراٹے سے انگریزی بھی بول سکتی تھی۔

''ارے تم اس وقت بیئر پی رہے ہو ڈیئر۔'' اس نے ہنری سے کہا۔ ''تمہارا ٹیسٹ روز بروز واہیات ہو رہا ہے۔''

ہنری نے جھینپے ہوئے انداز میں کچھ کہا تھا جس پر حمید دھیان نہ دے سکا کیونکہ وہ بھی ہنری کے ٹیسٹ پر جل بھن ہی رہا تھا۔

''اوہ.... یہ کون ہے۔'' وہ تیزی سے حمید کی طرف مڑی۔

''میں افغان ہاؤنڈ ہوں اور زیرو لینڈ سے آیا ہوں۔'' حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

لڑکی نے زوردار قہقہہ لگایا اور ہنری سے بولی۔ ''اوہ ڈیئر.... تمہارے دوست بھی تمہاری ہی طرح دلچسپ ہیں۔''

''بہت زیادہ۔'' حمید کا لہجہ اب بھی تلخ تھا۔ ''اگر یہ سر کے بل کھڑا ہو سکتا ہے تو اس کے سبھی دوست دم کے بل ضرور کھڑے ہو سکیں گے۔''

''خوب خوب۔'' لڑکی نے پھوہڑ پن سے قہقہہ لگایا۔

''اچھا اب تم خاموش رہو۔'' ہنری نے آہستہ سے کہا۔ ''میں اس وقت بہت اُداس ہوں۔ اس وقت مجھے انکل ہوپ یاد آ رہا ہے جن کی ٹانگیں سرڈگم بگم نے توڑ دی تھیں۔''

''پھر تم نے اپنے چچا کا تذکرہ کیا۔'' لڑکی سنجیدہ ہوگئی۔ ''کتنی بار کہہ دیا ہے کہ مجھے باپوں اور چچاؤں کے تذکرے سے وحشت ہوتی ہے۔''

''مگر ڈارلنگ تمہارے باپ تو بہت اچھے ہیں۔''

''صرف اس لئے کہ سفید فاموں سے نفرت کرتے ہیں۔'' لڑکی ہنس پڑی۔

''اس کی پرواہ نہیں۔'' ہنری نے گردن جھٹک کر کہا پھر حمید سے بولا۔ ''ان کے پاپا ڈاکٹر ڈف بڑے شاندار آدمی ہیں۔ میری ان سے جان پہچان نہیں ہے۔ لیکن میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں.... ریگی ڈارلنگ کبھی ملاؤنا ان سے۔''

''کمال ہے....!'' ریگی نے آنکھیں نکالیں۔ ''مجھے گولی نہ ماردیں گے تمہارے ساتھ دیکھ کر۔ تم سفید فام ہو۔''

''کہو تو ابھی سیاہ فام بنا کر رکھ دوں۔'' حمید ہنری کو گھورتا ہوا بولا۔

ہنری بیئر کا دوسرا گلاس ختم کر کے رومال سے ہونٹ خشک کر رہا تھا۔

''ہائے میرے مظلوم چچا۔'' اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''یہ انگریز واقعی بڑے سؤر ہوتے ہیں مگر میں تو آئرش ہوں ڈارلنگ....!''

ریگی پھر ہنسی دیر تک ہنسی رہی اور بولی۔ ''وہ ہر سفید فام کو انگریز سمجھتے ہیں۔''

''تب تو میری نظر سے آج تک کوئی ایسا انگریز نہیں گزرا جسے سؤر کہا جاسکے۔'' ہنری مسمسی صورت بنا کر بولا اور ریگی کی ہنسی پھر اسٹارٹ ہوگئی.... وہ ہنسے بغیر ایک جملہ بھی زبان سے ادا نہیں کرسکتی تھی۔ بات ہنسی کی ہو یا نہ ہو۔ بعض اوقات تو ہنسی کی وجہ سے بات بھی نہیں سمجھنے دیتی تھی۔

''ہنری ڈارلنگ۔'' دفعتاً حمید بولا۔ ''امید ہے کہ تم بالکل بخیر و عافیت ہوگے اور شاید عرصہ تک رہو.... مگر عنقریب میرا ہارٹ فیل ہونے والا ہے۔''

''کیوں....؟'' ریگی تیوری چڑھا کر اُسے گھورنے لگی۔

''بس یونہی۔ آج صبح ہی سے ستارہ گردش میں ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ٹھیک اسی وقت صدر دروازے میں سارجنٹ رمیش دکھائی دیا۔ اس نے حمید ہی کو اشارہ کیا تھا اور پھر باہر نکل گیا تھا۔

''میں معذرت چاہتا ہوں محترمہ۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''جاؤ.... جاؤ.... دفع ہو جاؤ۔ کبھی کبھی تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔'' ہنری نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ حمید آگے بڑھ گیا۔ پوری بات سننے کی بھی زحمت نہیں گوارا کی۔

باہر سارجنٹ رمیش ایک پرچہ اس کے حوالے کر کے دوسری سڑک پر مڑ گیا۔ رائٹنگ فریدی ہی کی تھی۔

''حمید اس وقت ڈاکٹر ڈف کا بنگلہ خالی ہے۔ پتہ فورٹین ماڈل کالونی۔ بنگلہ بستی سے الگ تھلک ہے۔ پشت پر ویرانہ ہے۔ تم بہ آسانی اندر داخل ہو سکو گے۔ وہ ماہر حشرات الارض ہے۔ اس بنگلے میں تمہیں ایسی جگہ تلاش کرنی ہے جہاں انسانی اعضاء رکھے ہوں۔ اگر وہاں تک پہنچ سکو تو ان اعضاء کی لسٹ مرتب کرنا جو وہاں موجود ہوں۔ بوکھلاہٹ کی ضرورت نہیں۔ وہ شام سے پہلے گھر نہیں پہنچ سکے گا۔ یہ کام تم اطمینان سے کر سکو گے۔ میک اپ میں جاؤ تو بہتر ہوگا۔''

حمید نے خط پڑھ کر ایک طویل سانس لی اور متفکرانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔ ہو سکتا ہے وہی ہو جس کا تذکرہ فریدی کے خط میں ہے۔ ہنری غالباً یہاں اس بار میں اس لڑکی کے لئے بیٹھا رہا ہے۔

حمید نے آج سے پہلے کبھی کسی ڈاکٹر ڈف کا نام نہیں سنا تھا۔ بہرحال ڈاکٹر ڈف اس وقت اپنے بنگلے میں موجود نہیں ہے اور اس کی لڑکی یہاں بار میں ہنری کے ساتھ اونہہ.... حمید نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور قریب سے گزرنے والی ایک ٹیکسی کے لئے ہاتھ اٹھا دیا۔

کرائم رپورٹر انور نے فون پر انسپکٹر فریدی کے نمبر ڈائیل کئے.... دوسری طرف جلد ہی ریسیور اٹھایا گیا۔

''اِٹ از انور....!''

''یس....!''

انور نے صبح کا واقعہ دہراتے ہوئے رانا پرمود کا حوالہ دیا اور پھر بولا۔''اب کیا کرنا ہے۔''

''فی الحال خاموش رہو۔'' دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔''اب کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اس کا حلیہ۔''

''رشیدہ کا بیان کیا ہوا حلیہ دہرا سکتا ہوں۔ میں اس سے نہیں ملا تھا۔''

''غلطی کی تھی انور.... خیر.... بتاؤ۔''

انور اس اجنبی کا حلیہ دہرا کر ایک پل کے لئے رکا اور پھر بولا۔''ان دو ہزار کا کیا ہوگا۔''

''مجھے یقین ہے کہ عادت کے مطابق تم آج کل بھی مفلس ہی ہو گے۔''فریدی کی آواز آئی۔

''ظاہر ہے جناب۔''

''بس تو پھر.... تم خود ہی ان دو ہزار کا مصرف دریافت کرلو گے۔''

''یعنی مطلب یہ کہ اجازت ہے نا۔''

''قطعی....!''

''شکریہ۔''انور نے طویل سانس لی۔

''مگر دیکھو۔ تمہیں اب خود کو بلیک میلر ہی پوز کرنا ہے۔'' فریدی بولا۔

''قانون کی اجازت ہے۔''انور کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اس کیس میں قانون کا تحفظ اسی طرح ہو سکے گا۔ ہاں رشیدہ سے کہو کہ اگر وہ آدمی پھر کہیں دکھائی دے تو اس پر نظر رکھے۔''

''وہ کون ہوسکتا ہے۔''

''پگڑی کی وضع سے تو رانا پرمود کا سیکریٹری ہی معلوم ہوتا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''اس کی نگرانی تو آپ بھی باقاعدہ طور پر کرا سکتے ہیں۔''

''رانا پرمود ہی کی طرح وہ بھی پُراسرار ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب اور کہاں قیام کرتا ہے.... دونوں میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ رانا پرمود کو کسی نے نہیں دیکھا اور سیکریٹری اکثر دکھائی دیتا ہے۔''

''کیس کی نوعیت کیا ہے جناب۔'' انور نے پوچھا۔

''فی الحال اس پر روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔'' فریدی نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ انور نے طویل سانس لے کر ریسیور رکھ دیا۔

بنگلے کی پشت پر قد آدم جھاڑیوں کے سلسلے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن بنگلے کی پشت سے بہ آسانی داخلے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوسکتا تھا۔ کیونکہ دیواریں سپاٹ تھیں۔ کہیں کوئی روشندان بھی تو نہیں دکھائی دیا تھا۔

حمید نے ایک بار پھر فریدی کا نوٹ جیب سے نکال کر بغور پڑھا۔ لفظ ''بہ آسانی'' ہتھوڑے کی طرح ذہن پر ضربیں لگا رہا تھا۔

گیٹ کی طرف سے داخلہ محال تھا کیونکہ تھوڑے ہی فاصلے پر سڑک تھی اور اس پر کسی قدر ٹریفک بھی رہتا تھا۔ پھر اس کی کیا ضمانت تھی کہ ڈاکٹر ڈف کی عدم موجودگی میں اس کا کوئی ملاقاتی بھی نہ آدھمکے گا۔

روز روشن کی بات تھی۔ رات ہوتی تو گیٹ ہی کی طرف سے سہی۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا

کچھ سوچتا رہا پھر بائیں جانب چل پڑا کیونکہ اس جانب کے سرے پر دیوار میں کچھ اینٹیں ابھری ہوئی نظر آئی تھیں۔

اس جوڑ سے دوسری کوئی دیوار اٹھانے کا پروگرام شائد آئندہ پر ملتوی کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا آدھی آدھی اینٹیں باہر نکلی رہ گئی تھیں۔

حمید نے ایک بار پھر گردو پیش کا جائزہ لیا.....دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔

دیوار کی اونچائی کم از کم بیس فٹ ضرور ہوگی۔ اس نے سوچا ممکن ہے بلندی پر وہ کسی کو دکھائی ہی دے جائے۔ پھر کیا ہوگا۔

''اونہہ بکواس۔'' وہ گردن جھٹک کر بڑبڑایا۔ ''دیکھا جائے گا۔ میک اپ تو ہے ایک بار چور چور کا شور ہی سہی۔''

پھر تین منٹ کے اندر ہی اندر وہ دیوار کے اوپر تھا۔ چھت دیوار سے تقریباً چار فٹ نیچے تھی۔ اس لئے یہاں بھی کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

چھت سے وہ ان زینوں تک پہنچا جن کا اختتام نچلی منزل کے ایک سلاخوں دار دروازے پر ہوا تھا۔

یک بیک اس نے ایک خوفناک قسم کی غراہٹ سنی اور اچھل کر دو تین زینے اوپر چڑھ گیا۔ سلاخوں دار دروازے میں ہاتھ لگانے کی بھی نوبت نہیں آئی تھی۔ پھر ایک بھیانک گوریلے پر نظر کیوں نہ پڑتی جو لنگڑاتا ہوا اسی طرف چلا آ رہا تھا۔

سلاخیں پکڑ کر اس نے کھوپڑی ٹیڑھی کی اور حمید کو اس طرح گھورنے لگا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

''سلامالیکم۔'' حمید الٹے پاؤں چوتھے زینے پر کھسکتا ہوا بولا اور پھر اُسے اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ یہاں سے نو دو گیارہ ہو جائے۔ پتہ نہیں اور کتنی بلائیں عمارت میں اُس کی منتظر ہوں۔

سلاخوں دار دروازہ مقفل نہ ہوتا تو شاید اس وقت اچھی خاصی درگت بنی ہوتی۔ وہ پھر چھت پر پہنچا اور نہایت اطمینان سے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

چونکہ واپسی کا سفر تھا اس لئے کسی قسم کی احتیاط کی بھی ضرورت نہیں محسوس ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ اِدھر اُدھر دیکھنے کی زحمت بھی نہ گوارا کی گئی۔

پھر جیسے ہی بایاں پیر زمین پر ٹکا پشت سے آواز آئی۔ ''بہت اچھے۔''

حمید بوکھلا کر مڑا۔ ایک مضبوط جسم کا سیاہ فام آدمی جھپٹ پڑنے کے سے انداز میں کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ صورت جانی پہچانی سی معلوم ہو رہی تھی کہاں اور کب دیکھا تھا فوری طور پر یاد نہ آ سکا۔

اس نے سوچا بُرے پھنسے۔ اب کسی نہ کسی طرح نکل ہی چلو ورنہ شامت ہی آ جائے گی۔

''کک.... کچھ نہیں چرا سکا.... جج جناب۔'' حمید ہکلایا۔ ''آپ تلاشی لے لیجئے۔''

''چور.... بدمعاش....!'' کالا آدمی دھاڑا۔

''مم.... معاف کر دیجئے۔'' حمید گھگھیایا۔

''میں تمہیں جہنم میں پہنچا دوں گا۔'' وہ مکا تان کر جھپٹا۔ حمید یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح کچھ شروع ہو جائے۔ بھاگ نکلنے کے مواقع اسی صورت میں ہاتھ آتے۔

حمید بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹا۔ پھر قبل اس کے وہ دوسرے حملے کے لئے سنبھلتا حمید کا ہاتھ اس کی داہنی کنپٹی پر پڑا۔ یہ ایسا ہی جچا تلا ہاتھ تھا کہ سیاہ فام آدمی لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔

حمید نے اس کے اوپر ہی سے دوسری طرف چھلانگ لگائی اور جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔

سیاہ فام کی دہاڑیں دور ہوتی جا رہی تھیں۔ شاید وہ وہیں اسی جگہ کھڑا چیخ رہا تھا۔ حمید کا تعاقب کرنے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔

حمید دوڑتا رہا۔ جب یقین ہو گیا کہ اس کی پہنچ سے باہر ہے تو ایک جگہ رک کر سانسیں درست کرنے لگا۔ وہ سوچ بھی رہا تھا کہ اس آدمی کو پہلے کہاں دیکھا تھا۔

یک بیک ریگی یاد آئی اور وہ اچھل پڑا۔ دونوں میں بڑی مشابہت تھی۔ اُوہ تو کیا یہی ڈاکٹر ڈف؟

قریب ہی ایک تالاب نظر آیا۔ حمید نے وہیں میک اپ سے بھی پیچھا چھڑانے کے بعد

پھر موڈل کالونی کی راہ لی۔ لیکن ڈاکٹر ڈف کے بنگلے سے دور ہی دور رہا۔

کالونی کے پوسٹ آفس کے قریب پہنچ کر رکا۔ وہ یہیں سے فریدی کو اطلاع دے کر بقیہ وقت کے لئے غائب ہو جانا چاہتا تھا کیونکہ ان دنوں وہ ایک انتہائی غصہ دار اور نک چڑھی لڑکی سے دوستی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پبلک کال بوتھ خالی نظر آیا۔ حمید نے اندر داخل ہو کر چٹخنی بھی چڑھا دی تاکہ باہر سے دروازہ کھولا نہ جا سکے۔ بوتھ ساؤنڈ پروف قسم کا تھا۔ اس لئے اس کا بھی خدشہ نہیں تھا کہ گفتگو باہر سے سن لی جائے گی۔

فریدی کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوری طور پر جواب ملا۔

"یس سر.....!" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "پہلے چچا جان سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان کی آؤ بھگت کی تاب نہ لا کر بھاگنا پڑا۔ چھت پر پہنچا۔ ٹھہرئیے سنتے جائیے۔ آخر آپ میری زندگی کے خواہاں کیوں ہو گئے ہیں۔ ایک بار جی کڑا کر کہہ دیجئے لگا دوں کسی اندھے کنوئیں میں چھلانگ۔ آگے اللہ مالک ہے۔ جی جی وہ چچا جان.... ہو سکتا ہے اُن کا کوئی نام بھی ہو لیکن میں صرف گوریلا کہہ سکتا ہوں۔ کم از کم چھ فٹ ضرور اونچا رہا ہوگا۔ رنگت بھوری تھی.... چھت سے زینے جس کمرے میں ختم ہوئے میں وہیں تھا۔ زینوں کا دروازہ لوہے کا ہے۔ سلاخوں دار۔ خیریت یہی ہوئی کہ مقفل تھا ورنہ یا تو میں ٹارزن کی شکل میں واپس ہوتا یا اس چیز کی صورت میں جسے تازہ گوشت کا لوتھڑا کہتے ہیں۔"

"تو پھر تم نے عمارت کے دوسرے حصوں میں پہنچنے کی کوشش نہیں کی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اب کئے لیتا ہوں۔" حمید غرایا۔

"کچھ بھی نہ ہوا۔"

"لیکن ڈاکٹر ڈف سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"گڈ! تب تو میرا خیال ہے کہ بہت کچھ ہوا ہے۔ صاحب زادے ذرا سنجیدگی سے اپنی

رپورٹ دہراؤ۔''

دہرانی ہی پڑی۔ فریدی پوری روداد سن لینے کے بعد بولا۔ ''تمہارا خیال صحیح ہے۔ حلیہ کے مطابق وہ ڈاکٹر ڈف ہی ہوسکتا ہے۔ کام ختم.... عیش کرو۔''

''شکریہ۔ مگر آپ سے اندازے کی غلطی کیسے ہوئی۔ آپ نے تو لکھا تھا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے۔''

''میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ موجود نہ ہونے کے باوجود بھی گھر ہی پر ہوتا ہے۔''

''کیا بات ہوئی۔''

''جب وہ گھر پر تنہائی چاہتا ہے تو لڑکی سے کہہ دیتا ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک گھر سے باہر رہے گا۔ اسی کے سامنے رخصت بھی ہوجاتا ہے۔ قفل کی دہری کنجیاں ہیں۔ ایک لڑکی کے پاس رہتی ہے اور دوسری ڈاکٹر کے پاس۔ لڑکی پابندیوں میں رکھی جاتی ہے.... لہٰذا میدان صاف دیکھ کر اس کا بھاگ نکلنا یقینی ہوجاتا ہے۔ لیکن جس وقت ڈاکٹر اپنی واپسی کا تعین کرتا ہے اس سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی وہ گھر پہنچ جاتی ہے۔''

''ڈاکٹر مقفل مکان میں کیسے داخل ہوتا ہوگا۔'' حمید نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ وہاں کوئی چور دروازہ بھی ہے جس کا علم ڈاکٹر کے علاوہ اور کسی کو نہیں۔''

''اچھا تو یہ ہنری آپ ہی کی ہدایت پر اپنی مٹی پلید کررہا ہے۔''

''یہی سمجھ لو۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ حمید صرف منہ بنا کر رہ گیا۔ کیونکہ اب یہ قصہ اس کیلئے بھی دلچسپ ہوگیا تھا۔ اس نے سوچا کہ پھر رنگ کرے۔ لیکن خیال آیا ممکن ہے فریدی اس بار جھنجھلا کر کوئی ایسی بات کہہ دے جو اس کا اپنا موڈ خراب کرنے کیلئے کافی ہو۔ ویسے وہ دراصل ان انسانی اعضاء کے متعلق معلوم کرنا چاہتا تھا جن کے رکھنے کی جگہ اُسے ڈاکٹر ڈف کے بنگلے میں تلاش کرنی تھی۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' وہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا اور دروازہ کھول کر بوتھ سے باہر آگیا۔

بھلا کیا بات ہوئی۔ جناب والا یہ کیسے لکھ دیتے کہ خواہ مخواہ کسی کے مکان میں گھسنے کی

کوشش کرو اور حاضری دے کر واپس چلے جاؤ۔ کوئی معقول وجہ بھی تو ہونی چاہئے اور یہ وجہ کتنی حیرت انگیز تھی۔ انسانی اعضاء..... ہونہہ..... یوں اُلو بنا کر کام نکالتے ہیں۔

حمید نے ایک بار پھر بُرا سا منہ بنایا اور وہاں سے چل پڑا۔ کچھ بھی ہو۔ انسانی اعضاء والی بات بہانہ ہی سہی۔ لیکن معاملہ اہم ہی معلوم ہوتا تھا۔ ورنہ فریدی نے پچھلا ایک ہفتہ لیبارٹری میں کیوں گذارا تھا۔

وہ چلتا رہا۔ پھر ایک جگہ چونک کر ٹیکسی تلاش کرنے لگا۔ وہ نک چڑھی یاد آئی تھی جسے پچھلے ماہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں دیکھا تھا اور اس کے ایک دوست نے بتایا تھا کہ وہ پرمود ہاؤز میں رہتی ہے۔ غالباً رانا پرمود کی کوئی رشتہ دار ہے۔ بے حد غصہ ور ہے۔ کسی کو منہ نہیں لگاتی۔ ہر قسم کی تفریحات میں تنہا ہی نظر آتی ہے۔ کبھی کبھی کوئی عورت بھی ساتھ ہوتی ہے۔ لیکن کسی مرد کے ساتھ کبھی نہیں دیکھی گئی۔ لڑکی حالانکہ دیسی لباس میں رہتی تھی لیکن اس کے یوریشین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ زیادہ تر اردو میں گفتگو کرتی تھی اور گفتگو کے دوران کوشش کرتی تھی کہ زبان سے انگریزی کا آدھا لفظ بھی نہ نکلنے پائے۔ بڑے دلکش خدوخال والی تھی۔

حمید چلتا رہا کیونکہ ابھی تک کوئی ٹیکسی نہیں مل سکی تھی۔ دفعتاً ایک جگہ اُسے رکنا پڑا۔ بڑا حیرت انگیز واقعہ تھا۔ حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑا رہا کیونکہ ایسا منظر تو شاید الف لیلیٰ ہی کی کسی داستان میں نظر آتا۔

اُسے ایک دیو قامت آدمی دکھائی دیا تھا جو ایک موٹر سائیکل کو سوار سمیت اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اسے پوری طرح اٹھا لیا اور اسی طرح چلتا ہوا سڑک کے دوسرے کنارے پر پہنچا اور موٹر سائیکل پھر زمین پر ٹکا دی۔ سوار ہکا بکا اُس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

حمید تیزی سے آگے بڑھا۔ انکے قریب ہی پہنچ گیا لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کو اسطرح گھورے جا رہے تھے کہ شاید انہیں گرد و پیش کا ہوش ہی نہیں تھا۔ دفعتاً دیوزاد بولا۔ ''اب بتاؤ۔''

''میں کیا بتاؤں۔'' دبلے پتلے سوار نے بوکھلا کر کہا۔

''نہیں ضرور بتاؤ.... چڑھا دو یہ سالی غاڑی میری کھوپڑی پر۔''

''ارے صاحب آپ کے دھکا بھی تو نہیں لگا تھا۔''

''میرے کوٹ میں تو دھکا لگا تھا۔ اب قہوہ ہوا سے اڑ کیوں رہا تھا۔ میں قھوں غا.... سالی ہوا کیوں چل رہی تھی.... نہیں بتاؤ۔''

موٹر سائیکل سوار نے بے بسی سے چاروں طرف دیکھا اور پھر دیوزاد کی طرف منہ اٹھا دیا۔ ''اے بولو نا.... میرا وقت بہت کیمتی ہے۔'' دیوزاد نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اب میں کیا بولوں.... اچھا چلئے معاف کر دیجئے۔ غلطی ہوئی تھی۔''

''بعد میں معاف کر دوں گا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ میرے کوٹ میں دھکا کیوں لگا تھا۔''

حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ ادھر وہ بے چارا سائیکل سوار بڑی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ دفعتاً اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''مسٹر آپ ہی سمجھائیے۔''

''ابے کھبردار۔'' دیوزاد بپھر گیا۔ ''کسی دوسرے کو بیچ میں نہ ڈالو۔ چاہے وہ مسٹر ہو چاہے منشی جی۔''

''ہاں.... یہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' حمید نے سر ہلا کر کہا اور نظر بچا کر سائیکل سوار کو آنکھ ماری۔ اب دیوزاد بھی حمید کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا تھا۔

''ٹھیک ہے نا بھائی صاحب۔'' اس نے دانت نکالے دو تین بار تیزی سے پلکیں جھپکائیں اور پھر بولا۔ ''اغر میں مر جاتا تو قیا ہوتا۔''

''لاش اٹھوانے میں بڑی دشواری ہوتی۔'' حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''ہائیں.... لاش.... ارے باپ رے۔'' دیوزاد نے کہا۔ ہونٹوں پر زبان پھیری اور بے ڈھنگے انداز میں منہ چلانے لگا.... پھر بولا.... ''اُف فوہ.... میرا سر چکرا رہا ہے۔''

سائیکل سوار نے حمید کا اشارہ پا کر مشین اسٹارٹ کر دی۔ لیکن دیوزاد نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ پھر موٹر سائیکل آگے بھی بڑھ گئی۔

''مم.... مجھے میری غاڑی تک پہنچا دیجئے بھائی صاحب۔'' دیوزاد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

''گاڑی کہاں ہے۔''

''وہ....ادھر....اس بلاک کے پیچھے....اُف فوہ....میری آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔''

حمید اُسے اس کی گاڑی تک لایا اور گاڑی دیکھ کر خود اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ یہ رولس رائیس تھی۔ تو یہ مینار نما گنبد کوئی متمول آدمی ہے۔ اس نے سوچا۔

''سر چکرا رہا ہے تو ڈرائیو کیسے کرو گے۔'' حمید نے پوچھا۔

''اللہ مالک ہے۔'' زیوزاد نے ٹھنڈی سانس لی۔

''میں پہنچا دوں۔''

''جرور جرور.... بھائی صاحب....اللہ قسم بڑے اچھے آدمی ہو۔ خدا کھش رکھے۔''

حمید اسٹیئرنگ کے سامنے جا بیٹھا اور دیوزاد بھی اگلی ہی سیٹ پر جم گیا۔

''کہاں چلوں۔'' حمید نے پوچھا۔

''کہیں بھی۔'' دیوزاد نے کراہ کر جواب دیا۔ پھر بولا۔ ''یار واقئی میرا پیٹ پھٹ جاتا تو کیا ہوتا۔''

''آنتیں نکل پڑتیں۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ارے باپ رے۔'' دیوزاد نے دونوں ہاتھوں سے پیٹ دبا لیا۔

''تم کیا کرتے ہو۔'' حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''قچھ نہیں....جی گھبراتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کیا قروں....!''

''رہتے کہاں ہو۔''

''عاصم ولا میں۔''

''اُوہ وہ خان بہادر عاصم....!''

''ہاں....وہ میرے والد بجرگوار ہیں۔''

''اچھا....اچھا....مگر یار....خیر کچھ نہیں.... ہاں تو تمہیں عاصم ولا پہنچا دوں۔''

''نہیں....میں گھر نہیں جانا چاہتا.... جہاں دل چاہے پہنچا دو۔''

''تفریح کی رہے گی۔''

''ارے واہ....!'' دیوزاد اچھل پڑنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ''جرور....جرور....!''

''زیادہ تر کہاں بیٹھتے ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

''اپنی مسہری پر یا گاڑی میں۔'' بھولے پن سے جواب ملا۔ حمید نے سوچا۔ بدھو دی گریٹ معلوم ہوتا ہے۔ خاصی تفریح رہے گی۔ ہوسکتا ہے نک چڑھی لڑکی تارا ہی کے سلسلے میں بھی کسی طرح کارآمد ثابت ہو جائے۔

''کلبوں میں نہیں جاتے۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں پیارے بھائی۔'' دیوزاد نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''سب میرے باپ کو عاصم صاحب کہتے ہیں۔ لیکن میں ظالم صاحب کہتا ہوں۔ اگر ان کا کوئی آدمی مجھے قسی ہوٹل یا کلب میں دیکھ لے تو جا کر ایسی آگ لغائے گا.... ہائے اللہ میں کیا کروں۔''

''جس آدمی پر شبہ ہو کہ یہ جا کر آگ لگائے گا مجھے بتا دینا۔ اُس سے پہلے ہی میں اس کی چٹنی بنادوں گا۔''

''قیوں....تم کون ہو پیارے بھائی۔'' دیوزاد نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پلکیں جھپکائیں۔

''میں فلم ڈائریکٹر ہوں۔''

''ہائیں....نہیں۔'' دیوزاد حیرت سے چیخا۔

''ہاں پیارے بھائی۔''

''اے تو وہ تم نے مس مادھوری کو قریب سے دیکھا ہوگا۔''

''ہاں پیارے بھائی....وہ تو مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔''

''اے ہوش میں ہو یا نہیں۔'' دیوزاد نے غصیلے انداز میں آنکھیں نکالیں۔

''کیوں پیارے بھائی۔''

''تم سے قیوں کرنے لگی محوبت....اجی واہ....کھوب رہی۔ میں تو....میں تو....واہ وا۔''

''آخر کیوں؟ کیا تم اسے جانتے ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

''یہ دیکھو۔'' دیوزاد نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر مادھوری کی تصویر نکالی۔ لیکن یہ تصویر ان تصویروں سے مختلف نہیں تھی جو فٹ پاتھوں پر ایک ایک آنے میں فروخت ہوا کرتی ہیں۔

''اچھا تو تم اس سے محوبت کرتے ہو۔''

دیوزاد نے ٹھنڈی سانس لی اور مسمسی صورت بنا کر رہ گیا۔

''بولو نا.... شرمانے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم کہو تو میں اس سے تمہاری سفارش کر سکتا ہوں۔''

''ہائے پیارے بھائی جندگی بھر احسان مانوں گا۔ مگر وہ تم سے محوبت کیوں کرتی ہے۔''

''اب نہیں کرے گی۔ میں تم سے زیادہ خوبصورت تو نہیں ہوں۔''

''ارے ہی ہی ہی.... میں کس لائیک ہوں بھائی صاحب۔ یہ سالا ڈیل ڈول نہ ہوتا تو شاید ہوتا کسی لائیک....!''

''ارے وہ..... یہی تو ہے.... سب کچھ۔ میں تمہیں کرنل ٹاور کے نام سے ملاؤں گا لڑکیوں سے۔''

''لڑکیاں.... ارے باپ رے.... ارے نہیں.... ہی ہی ہی۔''

''بس دیکھ لینا.... میرا نام زیٹو ہے.... ڈاکٹر زیٹو.... وہ فلم دیکھی تھی نا تم نے آپ کی بیٹی۔''

''نہیں دیکھی تھی۔''

''میں نے ڈائریکٹ کی تھی۔ پھر کبھی دیکھنا.... ہاں تو یہ مادھوری۔''

تین چار گھنٹے تک پٹرول پھونکا جاتا رہا.... بس شہر گردی ہوتی رہی۔ حمید اسے ہائی سرکل نائٹ کلب لے جانا چاہتا تھا مگر اس وقت جب تارا وہاں موجود ہوتی تھی۔

ابھی پانچ ہی بجے تھے۔ وہ سات سے پہلے نہیں آتی تھی.... اس دوران میں مختلف ہوٹلوں میں چائے پی گئی۔ کہیں کہیں حمید کی جان پہچان والیاں بھی ملیں اور دیوزاد ان سے مل کر اپنے مخصوص انداز میں محظوظ بھی ہوا۔ اس کا تعارف کرنل ٹاور ہی کے نام سے ہوتا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے اپنا یہ مضحکہ خیز نام بہت پسند آیا تھا۔''

بہرحال دو چار گھنٹوں ہی میں وہ ایک دوسرے کے یارِ غار معلوم ہونے لگے۔

دیوزاد کا نام قاسم تھا۔

تقریباً چھ بجے جب وہ آرلکچو سے اٹھ رہے تھے حمید نے اس سے کہا۔''اب تو تمہارا چکر رفع ہو چکا ہوگا۔اپنے گھر جاؤ۔''

''ارے نہیں پیارے بھائی۔اب وہاں لے چلو نا جہاں مادھوری آتی ہے۔''

''سات بجنے سے پہلے نہیں آتی۔مگر وہ آج کل کہاں آتی۔لیکن دیکھو مجھے اپنی نئی فلم دیوانی معشوقہ عرف قاتل کٹار کے لئے ایک ہیروئن کی تلاش ہے۔لڑکی میں نے پسند کرلی ہے تمہیں بھی دکھانے کا ارادہ ہے۔''

''ارے....جرور....جرور.... پیارے بھائی۔''

''اچھا تو بس سات بجے چلیں گے۔''

''اتنا پیارا دوست مجھے آج تک نہیں ملا تھا۔واہ رے میرے مولا تو بڑا مہربان ہے۔'' قاسم نے بے حد سرور کے عالم میں کہا۔

اور حمید سوچ رہا تھا کہ بہترین تفریح ہاتھ آئی ہے۔

ٹھیک سات بجے رولس ہائی سرکل نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔سردیوں کی راتیں تھیں اس لئے خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔

گاڑی پارکنگ شیڈ میں چھوڑ کر وہ عمارت کی طرف روانہ ہوئے۔قاسم کی بتیسی نکلی پڑ رہی تھی۔کہنا کچھ چاہتا اور زبان سے کچھ نکلتا۔

کرائم رپورٹر انور اپنی میز پر تنہا تھا۔ کلب کے ڈائننگ ہال کی فضا زندگی سے بھرپور تھی۔ اس نے کافی طلب کی اور کسی خیال میں ڈوبا ہوا ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا رہا۔ ان دنوں وہ اپنی شامیں عموماً ہائی سرکل کلب ہی میں گزار رہا تھا۔ منیجر سے خاصی جان پہچان تھی اس لئے ادھار بھی چل جاتا تھا۔

کافی کی پیالی ختم کرتے ہی اُس نے محسوس کیا جیسے اس کا سر چکرا رہا ہے۔ ساتھ ہی عجیب قسم کے اوٹ پٹانگ خیالات بھی اس کے ذہن میں چکرانے لگے۔ مثلاً اگر اس کے دم بھی ہوتی تو پتلون پہننے میں کتنی دشواری پیش آتی۔ دم سمیٹنی پڑتی۔ زیادہ بڑی ہوتی تو اسے بالکل اسی طرح لپیٹنا پڑتا جیسے عورتیں سر پر جوڑا باندھتی ہیں۔ دفعتاً اس نے قریب کھڑے ہوئے ویٹر سے کہا۔ ''کیوں دوست! بالکل ایسا ہی لگتا ہے نا جیسے پتلون کے نیچے کمر پر گٹھری باندھ رکھی ہو۔''

ویٹر ہکا بکا رہ گیا اور پھر بوکھلا کر بولا۔ ''جی صاحب۔''

''نہیں سمجھتے۔'' انور نے احمقانہ انداز میں قہقہہ لگایا۔ ''اچھا قریب آؤ۔''

ویٹر قریب آ گیا اور انور اس کی کمر تھپتھپا کر بولا۔ ''یہاں گٹھری۔''

''میں نہیں سمجھا جناب۔'' ویٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''جہنم میں جاؤ۔ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے۔ او گدھے میں دم کی بات کر رہا تھا۔''

''اچھا اچھا صاحب۔'' ویٹر جلدی سے بولا۔ ''میں ابھی حاضر ہوا۔''

پھر اس نے کھسک جانے میں عافیت سمجھی۔ غالباً وہ یہی سمجھا تھا کہ زیادہ چڑھ گئی ہے لیکن میز پر کافی کی ٹرے کے علاوہ اور کیا تھا۔

ایسے ہی بے ڈھنگے خیالات انور کے ذہن میں کلبلاتے رہے اور وہ خواہ مخواہ ہنستا رہا۔ آس پاس کے لوگ چونک کر اُسے دیکھتے رہے۔ پھر تو ذہن پر قابو پانا ہی دشوار ہو گیا۔

اب وہ بلند آواز میں بڑبڑا رہا تھا۔ واہ.... کیا بات ہوئی۔ شاندار واہ.... عورتوں کی دم کے لئے بھی طرح طرح کے زیورات بننے لگتے۔ اخبارات میں اس قسم کے اشتہارات نظر آتے.... کبھی ہماری دوکان پر بھی تشریف لائیے۔ آپ کی دم کی زینت کے سارے سامان مہیا ہیں۔ یا پھر دم رنگوائیے.... نیل پالش کے ساتھ ہی ساتھ ٹیل پالش بھی ہاہا۔ فلاں لوشن استعمال کر کے دم کی حفاظت کیجئے۔ دموں کے ریشمی غلاف شادی بیاہ کا مسئلہ ہوتا تو طرفین پوچھتے صاحبزادے کی دم کتنی بڑی ہے.... ہر ایک کے پیچھے تو نہیں ہلاتے پھرتے.... کوئی محترمہ گئی ہیں لڑکی دیکھنے اپنے صاحبزادے کے لئے۔ لڑکی کی دم دیکھتے ہی ناک بھوں چڑھائی۔ کچھ سوچتی رہیں اور بولیں ہائے اللہ بس اتنی سی دم.... ڈپٹی فلاں کی بیوی کہہ رہی تھی کہ لڑکی گز سوا گز کی دم ہی رکھتی ہے۔ نہیں بھئی ہمیں ذرا دمدار چاہئے۔ دوسری طرف کوئی ساس صاحبہ بہو کو للکار رہی ہیں اری نیک بخت اٹھتے اٹھتے ذرا دم تو ہلا دیا کرو.... دیکھ کتنا کوڑا، کچرا پھیلا رہتا ہے آس پاس.... والد صاحب فرزندانِ حمید کی دم تھامے کرر ہے ہیں پٹائی۔ کسی بے تکلف دوست نے راہ چلتے بے خبری میں پیچھے سے دم پکڑ لی.... ہاہا.... ہاہا.... ہاہا....!"

"واقعی بُری طرح چڑھ گئی ہے۔" ایک نے دوسرے سے کہا۔ دوسرا صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ ویسے وہ بھی انور کو مضحکانہ انداز میں گھورے جا رہا ہے۔

"ہاں.... بھئی اور سنو.... کوئی فکر مند ماں پڑوسن سے کہہ رہی ہے۔ اے بہن دیکھو نہ جانے کیا روگ لگ گیا ہے میری بیٹی کو.... ماشاء اللہ کیسی گنجان دم تھی۔ اے تم نے تو دیکھا ہی ہے۔ سارے بال جھڑے جا رہے ہیں.... کوئی تیل پھلیل ہی بتاؤ۔"

"یار کہیں کوئی ہنگامہ برپا نہ کرا دینا۔ چلو تمہیں گھر چھوڑ آئیں۔"

"گھر کون جائے گا.... بیٹھو.... واہ.... اور سنو.... دو دوست ملے۔" انور نے کہا اور یک بیک خاموش ہو گیا۔ پتہ نہیں کیوں اس کا دل چاہتا تھا کہ اب میز پر کھڑا ہو کر زور زور سے چیخنا شروع کر دے۔ سر اب بھی چکرا رہا تھا۔

اس نے میز پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن دونوں آدمیوں نے باز رکھا۔ کئی ویٹر ان کی

طرف لپکے....ان میں سپر وائزر بھی تھا۔

''ارے بھئی بس لے جا رہے ہیں.... پتہ نہیں کہاں پی آیا تھا۔'' ایک آدمی نے سپروائزر سے کہا اور انور ان کے درمیان لڑکھڑاتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

حمید قاسم سے کہہ رہا تھا۔''یار دیکھو.... پتہ نہیں کیوں آج ابھی تک نہیں آئی۔''

''کھیر....!'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی۔''اپنا مکدر ہی سالا اوندھا سیدھا ہے۔ اللہ مالک ہے۔''

''کیا بتاؤں....میں نے چاہا تھا کہ آج ہی تمہیں اس سے بھی ملوا دیتا۔''

''جانے دو بڑے بھائی پھر سہی۔ آج میں خوش ہوں....اُف فوہ۔ اتنا پیارا دوست اتنی آسانی سے مل گیا۔''

''مگر تم نے اُسے موٹر سائیکل سمیت اٹھا کیوں لیا تھا۔''

''ارے بس یونہی....وہ سالا سمجھا تھا کہ شاید میں اس سے کمجور پڑتا ہوں۔''

''خدا کرے کبھی کوئی گدھا تمہیں لات نہ مارے۔''

''مار کر تو دیکھے سالا۔'' قاسم بگڑ گیا۔

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں....ورنہ اُسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس سے بھی بڑے بڑے دنیا میں موجود ہیں۔''

قاسم نے اکڑ کر چاروں طرف حقارت سے دیکھا اور پھر ایک ایسی لڑکی کو گھورنے لگا جو بے حد دبلی پتلی تھی۔

''ہائے....!'' کچھ دیر بعد اس نے لچک کر جلے کٹے لہجے میں کہا۔''جرا انہیں تو دیکھو....ایسا

لگتا ہے ایسا لگتا ہے جیسے ابھی ہائے اللہ کہیں گی اور مر جائیں گی۔"

"کس کی بات کر رہے ہو۔"

"وہ جو مہین بیگم بیٹھی ہیں۔"

"اسے تو تمہیں کیوں بُری لگ رہی ہے۔ تم ایسے لہجے میں اس کے متعلق گفتگو کر رہے ہو جیسے پرانی دشمنی ہو۔"

"جلن لگتی ہے۔ ہڈیاں سلگتی ہیں.... اب دیکھو.... اب دیکھو.... ہا.... نجاکت کی پڑیا۔ ہائے اللہ کیتلی بھی نہیں اٹھتی.... کانکھے مارتی ہیں.... شکل تو دیکھو جیسے پہاڑ اٹھالیا ہو.... ارے مر بھی چکو جلدی سے.... ہاں نہیں تو۔"

حمید کو ہنسی آ گئی۔ کیا جانور ہاتھ لگا ہے۔ واہ....!

"اوہ....!" یک بیک وہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ "انور....!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے کسی انہونی کا سامنا ہو گیا ہو۔ انور شرابی تو نہیں تھا اُسے شراب سے نفرت تھی.... پھر یہ کیا۔

دونوں آدمی قریب آ گئے جو لڑکھڑاتے ہوئے انور کو سہارا دیئے غالباً لے جا رہے تھے۔

"خدا کے لئے اتنی نہ پیا کرو پیارے۔" ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ "قابو ہی نہیں رہتا تمہیں اپنے اوپر۔ کتنی واہیات بات ہے۔"

حمید نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔ وہ سوچ رہا تھا ضروری نہیں کہ یہ شراب ہی کا نشہ ہو...... انور کے دوست انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ لیکن دشمنوں کا شمار مشکل تھا۔ جیسے ہی وہ صدر دروازے کے قریب پہنچے حمید بھی اٹھ گیا۔

"قیوں.... پیارے بھائی۔" قاسم نے ٹوکا۔

"بیٹھو.... میں ابھی آیا۔" حمید نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ وہ لوگ صدر دروازے سے گزر چکے تھے۔

کمپاؤنڈ میں کئی ٹیکسیاں موجود تھیں۔ حمید نے انہیں ایک میں بیٹھتے دیکھا۔ کمپاؤنڈ میں

عموماً واپسی ہی کی ٹیکسیاں رکا کرتی تھیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی کا حاصل کر لینا مشکل ہی ہوتا۔ قاسم کی گاڑی وہ اس طرح استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دفعتاً انور کی موٹر سائیکل دکھائی دے گئی اور اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

بابا خاور

انور بھونچکا رہ گیا۔ کیونکہ اس وقت وہ نہ تو ہائی سرکل نائٹ کلب میں تھا اور نہ اپنے فلیٹ میں.... یہ کسی رہائشی عمارت کا ہال تھا۔ لیکن دروازے بند تھے۔ انور کو اپنے علاوہ آس پاس اور کوئی نہ دکھائی دیا۔

پھر وہ اس آرام کرسی کا جائزہ لینے لگا جس پر پڑا ہوا تھا۔ بھولی بسری باتیں یاد آنے لگیں۔ ہائی سرکل کلب کی کافی یاد آئی.... اس کیفیت کی دھندلی سی پرچھائیں یادداشت میں رینگنے لگی جو کافی پینے کے بعد طاری ہوئی تھی۔ وہ دونوں آدمی اُسے میز سے اٹھا کر باہر لائے تھے۔ صدر دروازے سے گزر جانے تک کے واقعات اب بھی یاد تھے۔ لیکن پھر.... اس اندھیرے کو حافظہ بھی نہ کرید سکا۔ اسکے بعد کیا ہوا تھا۔ اسکے بعد تو شاید یہیں ہوش آیا تھا اسی کرسی پر۔

پچھلی شام والی کیفیت بھی عجیب تھی۔ اس نے لاکھ کوشش کی تھی کہ خود کو قابو میں رکھے لیکن ناکام رہا تھا۔ محسوس کرتا رہا تھا کہ اس سے حماقتیں سرزد ہو رہی ہیں لیکن ذہن میں اتنی قوت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ منطقی شعور کو دخل دے سکتا۔

یقیناً اُسے کافی میں کوئی ایسی چیز دی گئی تھی جو ذہن و جسم کو بیکار کر دیتی ہے۔

دفعتاً کسی جانب کا دروازہ چرچرایا۔ پھر اس کے بند ہونے کی آواز بھی سنائی دی لیکن انور نے مڑ کر دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔

وہ بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں خلاء میں گھور رہی تھیں۔ پتھرائی ہوئی سی

آنکھیں۔ زندگی سے یکسر خالی۔ چہرہ ویران ہو کر رہ گیا تھا۔

آنے والا اس کے قریب ہی رکا۔ لیکن انور کی حالت میں اب بھی کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ اب اس نے جھک کر اسکی پتھرائی ہوئی آنکھوں کا جائزہ لیا۔ پھر تیزی سے ایک جانب بڑھ گیا۔

اب وہ دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کے ایک پش سوئچ کا بٹن دبا رہا تھا۔

چند ہی لمحوں کے بعد کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ تین آدمی اندر داخل ہوئے۔ پہلے آنے والے نے کسی کو مخاطب کیا۔

''ذرا دیکھنا تو اُسے کیا ہو گیا ہے۔''

وہ تینوں ہی انور کے قریب چلے آئے۔

''اُوہ.... یہ کیا.... اس کی تو پلکیں تک نہیں جھپک رہیں۔'' ایک نے کہا اور دوسرے نے نبض پر انگلیاں رکھ دیں۔

''نبض تو چل رہی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اور جسم بھی گرم ہے۔''

پھر وہ انور کو جھنجھوڑ کر آوازیں دینے لگا۔ لیکن انور بالکل پتھر کے بت ہی کی طرح ادھر اُدھر کھسک کر رہ جاتا۔ نہ ان کی طرف دیکھتا اور نہ پلکیں جھپکاتا۔

''کیا مصیبت ہے۔'' ایک بڑبڑایا۔

دیوار کے قریب کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔ ''دواؤں کا بکس لاؤ۔''

یہ آواز انور کیلئے جانی پہچانی سی تھی۔ لیکن وہ اپنی پوزیشن میں تبدیلی کر کے اسے دیکھنے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے وہ سوچنے ضرور لگا تھا کہ اس نے یہ آواز کب اور کہاں سنی تھی۔

کچھ دیر خاموشی مسلط رہی.... اس کے بعد پھر وہی جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

''تم سب یہیں ٹھہرو.... میں مطمئن نہیں ہوں۔''

انور کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سچ مچ اب اس کی آنکھیں پتھرا ہی جائیں گی۔ تقریباً پندرہ منٹ سے اس نے پلکیں نہیں جھپکائی تھیں۔

یک بیک کوئی قریب آیا۔ پھر شاید اسی کے اشارے پر ہی کوئی دوسرا بھی آیا تھا۔

''اسکے بائیں ہاتھ کی آستین اوپر چڑھاؤ۔'' یہ جانی پہچانی آواز تھی۔ لہجے میں تحکم تھا۔

آستین چڑھائی گئی اور انور نے بازو میں سوئی کی چبھن محسوس کی لیکن اب بھی اُس نے اپنے جسم کو قابو میں رکھا اور وہ لوگ سوئی کی چبھن کا ردعمل بھی نہ دیکھ سکے۔ مگر انور سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

''اب اسے ہوش میں آنا چاہیے۔'' اس نے پھر وہی جانی پہچانی سی آواز سنی۔

لیکن انور نے تہیہ کرلیا کہ ہوش میں آنے کے باوجود بھی ہوش کی باتیں نہیں کرے گا۔

کچھ دیر بعد اس کی پتلیوں میں جنبش ہوئی.... پلکیں جھپکیں.... ہونٹ کپکپائے اور حلق سے ایک پھنسی پھنسی سی کراہ آزاد ہوئی۔

اب وہ انہیں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ پہلے جس آدمی پر نظر پڑی وہی ہوسکتا تھا جس کی آواز اسے جانی پہچانی معلوم ہوتی تھی۔

اسے یاد آگیا کہ اس نے اُسے کہاں دیکھا تھا.... یہ وہی عجیب وغریب آدمی تھا جو بظاہر قابل نفرت ہونے کے باوجود بھی اونچے طبقے میں بے حد مقبول تھا۔

بابا خاور.... الجھے ہوئے بالوں اور بے ہنگم ڈاڑھی والا بدشکل آدمی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے سراور جسم پر کبھی پانی ہی نہ پڑا ہو۔ البتہ کپڑے بڑے سلیقے سے پہنتا تھا۔ جسم پر اعلیٰ قسم کے سوٹ نظر آتے اور بے داغ سفید قمیض جن میں عموماً سلولائیڈ کے کالر استعمال کئے جاتے تھے۔

اس کے کانوں کی بناوٹ عجیب تھی۔ نہ جانے کیوں انہیں دیکھ کر بے ساختہ ہاتھی کے کان یاد آتے تھے۔

وہ خصوصیت سے عورتوں میں بے حد مقبول تھا۔ کیونکہ وہ انہیں ان کے مستقبل کے بارے میں دلخوش کن اطلاعات دیا کرتا تھا جن میں پچھتر فیصد بالکل درست ثابت ہوتی تھیں۔

''کیوں.... اب کیسی طبیعت ہے۔'' بابا خاور نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''بھائیں....!'' انور حلق پھاڑ کر دہاڑا پھر چیل کی سی آواز نکالی.... اور اس طرح مسکرانے

لگا جیسے کسی ناسمجھ آدمی کے سامنے فلسفہ بولا گیا ہو۔

''یا خدا میں اس شریف آدمی کے لئے کیا کروں۔'' بابا خاور نے ٹھنڈی سانس لی۔

سارجنٹ حمید ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے فریدی سے گفتگو کر رہا تھا۔

''پھر کیا ہوا....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ایک جگہ گاڑی رکی تھی اور انور نے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ غالباً وہ دونوں آدمیوں کو نوچ کھسوٹ بھی رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گاڑی سے اتر آیا اور وہ دونوں بھی اتر کر اُسے گھیرنے لگے۔ انور نے ان کے کپڑے پھاڑ دیئے تھے اور بالکل مجنونوں کی طرح اچھل کود رہا تھا۔ پھر ایک دوسری گاڑی قریب ہی آ کر رکی....اس میں سے تین لڑکیاں اتریں اور وہی اُلو کا پٹھا.... جو بابا خاور کے نام سے مشہور ہے۔''

''اچھا....پھر....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ان دونوں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ نشے میں ہے اور وہ اُسے اس کے گھر پہنچانے جا رہے ہیں۔ لیکن خاور نے کہا کہ وہ یقیناً اُسے کوئی نقصان پہنچائیں گے۔ اس نے کہا تھا کہ وہ ان کے چہروں سے ان کی نیتوں کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ بہرحال یہ بات سنتے ہی وہ دونوں وہاں سے بھاگ نکلے تھے اور خاور نے انور کو اپنی گاڑی میں بٹھا لیا تھا۔ لڑکیوں سے کہا تھا کہ وہ اسی ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنے گھروں کو جائیں۔ لڑکیوں نے اس پر اعتراض نہ کیا تھا۔''

''تو خاور انور کو اپنے ساتھ لے گیا تھا لیکن کیسے؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''مجھے خود بھی حیرت ہے کہ وہ چپ چاپ اس کے ساتھ گاڑی میں کیوں بیٹھ گیا تھا جبکہ دو آدمی بھی اُسے قابو میں کرنے سے قاصر رہے تھے۔''

''وہ اسے کہاں لے گیا ہے۔''

''تھر ٹین..... کنگس لین میں۔''

''اچھی بات ہے.....اب تم اس وقت تک وہیں ٹھہرو گے جب تک کہ میں نہ وہاں پہنچ جاؤں۔خیال رکھنا..... ممکن ہے اس دوران میں وہ اُسے وہاں سے بھی ہٹانے کی کوشش کریں۔''

''کیا یہ بھی کوئی اہم مسئلہ ہے۔''

''تم یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے اس واقعہ کی اطلاع کیوں دی ہے۔''

''محض اس لئے کہ انور شرابی نہیں ہے۔کبھی تفریحاً بھی نہیں پیتا۔''

''میرے لئے یہی کافی ہے۔اگر اسے کسی نے پلائی تھی تو یقین کرو کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔اس کے ہزاروں دشمن اسی شہر میں ہوں گے۔''

حمید نے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

انور نے ہال میں دوڑ لگانی شروع کر دی تھی۔لیکن کسی کی طرف دھیان دیئے بغیر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ان کی موجودگی سے بے خبر ہی ہو۔

خاور ہال کے وسط میں کھڑا متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا۔بقیہ چاروں آدمی بھی دم بخود تھے۔

''میرے خیال سے یہ بن رہا ہے بابا۔''ایک نے کہا۔

''خدا جانے۔''

''اپنے علم کے زور سے پتہ لگائیے۔''

اس پر خاور نے قہقہہ لگایا۔دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔''ہاں یہ سچ مچ بن رہا ہے۔میرا علم

یہی کہتا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں بن رہا ہے۔ اب تو یہ خطرے سے دور ہے مجھے میرے علم ہی نے اطلاع دی تھی کہ وہ دونوں اس کے دشمن ہیں۔''

''اگر یہ بات ہے پیارے۔'' دفعتاً انور رکتا ہوا بولا۔ ''تو مجھے ٹھیک ہی سمجھو۔ اب اور کیا کہتا ہے تمہارا علم۔''

''ہاں....!'' خاور سنجیدہ نظر آنے لگا۔ پھر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ چند لمحے ساکت کھڑا رہا پھر آنکھیں کھول کر مسکرایا.... گھنی مونچھوں کے درمیان ہونٹ عجیب انداز میں پھیلے تھے نہ جانے کیوں انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی سانپ نے پھن کاڑھ لیا ہو۔

''میرا علم۔'' وہ سانپ ہی کی طرح پھپھکارا۔ ''میرا علم کہتا ہے کہ تم مستقبل قریب میں بڑی الجھنوں کا شکار ہونے والے ہو۔ زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ مگر ایک ستارہ صرف ایک ستارہ ایسا ہے جس سے تمہیں سہارا مل سکتا ہے۔''

''مجھے ضرور بتاؤ۔''

''کبھی نہیں! میں نظام قدرت میں خلل اندازی کا قائل نہیں ہوں۔ تم اب جا سکتے ہو۔''

''چلو یہی بتادو کہ وہ لوگ کون تھے جو مجھے اس طرح لے جا رہے تھے۔'' انور نے کہا۔

''یہ بتانا بہت دشوار ہے۔ میں جادوگر تو نہیں ہوں۔''

''اچھا یہی بتادو کہ مجھے شراب میں کیا دیا گیا تھا۔''

خاور نے پھر آنکھیں بند کرلیں اور یک بیک چونک پڑا۔ اب وہ متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑے انور کو گھور رہا تھا۔

''کیا کہا تم نے شراب....!'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''مجھ سے بکواس کرنے کی ضرورت نہیں لڑکے۔ تم شراب نہیں پیتے۔ تمہیں شراب سے نفرت ہے۔''

''ہاں.... میں شرابی نہیں ہوں۔ پھر پاگل کیوں ہو گیا تھا۔''

''کسی دوسرے مشروب میں تمہیں کوئی نشہ آور دوا دی گئی تھی۔''

یک بیک سامنے والا دروازہ زبردست جھٹکے کے ساتھ کھلا اور ایک سیاہ پوش اندر داخل

ہوا جس کا چہرہ نقاب میں چھپا ہُوا تھا۔ ہاتھ میں ٹامی گن تھی۔

''تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' نقاب پوش نے انہیں للکارا۔

انور کے ہاتھ بھی اٹھ گئے۔ پھر اس نے دیکھا کہ خاور کے علاوہ سبھی نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے۔

''کیا تم نے سنا نہیں۔'' نقاب پوش نے خاور کو للکارا۔

''میں ایسی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دینے کا عادی ہوں۔'' خاور نے لاپروائی سے کہا۔

''تم میرے شکار کو یہاں کیوں لائے ہو۔''

''محض اس لئے کہ ابھی اس کے ستارے گردش میں نہیں آئے۔''

''اس کے ہاتھ پیر باندھ کر میرے حوالے کر دو ورنہ ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''کس ہوا میں ہو۔'' خاور نے طنزیہ سا قہقہہ لگایا۔ ''ابھی تمہارے ہاتھ کانپیں گے اور یہ آگ اگلنے والی پچکاری تمہارے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر آ رہے گی اور تم چیختے ہوئے دیوار سے جا لگو گے۔''

نقاب پوش ایک قدم پیچھے ہٹا اور اس انداز میں ادھر اُدھر دیکھا جیسے خدشہ ہو کہ اس پر دھوکہ سے حملہ کیا جائے گا۔

''تم کون ہو اور اس لڑکے کو کیوں پریشان کر رہے ہو۔'' خاور نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاہا....!'' نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔ ''میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ بہروپئے! اچھا تم ہی بتاؤ کہ مجھے اس سے دشمنی کیوں ہوگئی ہے۔''

''میں تمہاری ہی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔''

''بکواس بند کرو۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ اس کی ٹائی سے اس کے ہاتھ باندھ دیں میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

''تمہارے فرشتے بھی نہ لے جاسکیں گے مجھے غصہ نہ دلاؤ۔''

''بوڑھے ہوش میں آ جا.... میری ٹومپسن شور بالکل نہیں مچاتی۔ باہر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکے گی کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔''

''اچھا تو اپنے ہاتھ دیکھو۔'' خاور نے مسکرا کر کہا۔

انور نے دیکھا کہ نقاب پوش کے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹامی گن ہاتھوں سے چھوٹ گئی اور وہ چیخ مار کر دیوار سے جا ٹکا۔ خاور کے ساتھیوں نے آگے بڑھنا چاہا لیکن وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''ٹھہرو میں ظالم نہیں ہوں جانے دو۔ میں دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ صرف آنکھیں اور کان کھولتا رہوں۔ مجھے کوئی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

پھر وہ نقاب پوش کی طرف مڑا۔

''اب بتاؤ.... اب کیا خیال ہے۔''

نقاب پوش جو دیوار ہی سے لگا ہوا آہستہ آہستہ دروازے کی طرف کھسک رہا تھا اچھل پڑا.... انور نے اس کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں دیکھیں۔

''میری سنو۔'' خاور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''تم لوگوں نے روپے سے اس کا منہ بند کرنا چاہا تھا لیکن پھر اسکیم کیوں بدل دی۔ اب اس پر تشدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟''

یک بیک نقاب پوش نے دروازے میں چھلانگ لگائی۔ ساتھ ہی انور بھی جھپٹا تھا لیکن خاور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

''نہیں بیٹے! میری موجودگی میں نہیں۔ میرا کام صرف ہدایت کرنا ہے۔ جھگڑے اس چھت کے نیچے نہیں ہو سکتے۔''

انور رک کر اُسے گھورنے لگا.... خاور پھر ہنس پڑا۔ ''کیوں.... اب کیا تم بھی اپنے کرتب دکھانے کا ارادہ رکھتے ہو۔''

''نہیں....!'' انور بڑی سعادت مندی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ دراصل ایک (Sceptic) قسم کا آدمی تھا۔ اس لئے جلد ہی کسی سے مرعوب ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ اس آدمی کے متعلق پہلے بھی شبہات میں مبتلا

رہ چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ مالدار طبقے کے لوگوں کو اپنی بناسپتی روحانی قوت سے مرعوب کر کے بڑی بڑی رقومات اینٹھتا ہے اور فیشن ایبل عورتوں کے درمیان راجہ اندر بنے رہنے کا شائق ہے۔ لیکن اس وقت آخر اُسے ان حالات کا علم کیسے ہوا جن کا علم کسی چوتھے آدمی کو نہیں تھا۔ تو پھر یہ نقاب پوش رانا پرمود کے سیکریٹری ہی کا کوئی آدمی رہا ہوگا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ جو شخص تشدد پر اتر آنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ کسی کا منہ بند کرنے کے لئے دو ہزار کیوں خرچ کرنے لگا۔

دفعتاً انور نے ایک طویل انگڑائی لی۔ مسکرایا اور خاور سے بولا۔ ''اچھا تو اب آپ میری چند الجھنیں رفع کیجئے۔ یہ حقیقت ہے کہ آج مجھے ایک معقول رقم ملی تھی تاکہ میں کسی خاص مسئلہ پر اپنی زبان نہ کھولوں۔ پھر آخر انہی لوگوں نے یہ طریقہ کیوں اختیار کیا۔''

''میں نے بھی اس سے یہی سوال کیا تھا۔'' خاور نے مسکرا کر جواب دیا۔

''لیکن وہ جواب دیئے بغیر ہی نکل بھاگا۔''

''پھر بتاؤ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''اس کا جواب آپ بخوبی دے سکیں گے۔''

''میں.... بھلا میں کیسے!''

''آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ کو تو اس بات کا علم بھی تھا جس کا علم اخبار کے ایڈیٹر تک کو نہیں رہا۔''

''ہاں تم بہت چالاک ہو۔ مگر اچھے لڑکے بلیک میلنگ بُری چیز ہے۔''

''خدا کی پناہ۔'' انور نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ ''آپ تو تفصیل سے بھی واقف ہیں۔''

''بالکل....!''

''تو پھر اب بتائیے.... مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''خدا بہتر جانتا ہے۔ میں کیا بتا سکوں گا۔ تم مجرموں کے گروہ کو بلیک میل کر رہے ہو۔ اگر کسی شریف آدمی پر وار کیا ہو تو میں ضرور کہتا کہ ایسا نہ کرو۔ بُری بات ہے۔''

''اچھا تو کیا وہ رقم میرے لئے جائز ہے جو میں نے ان سے وصول کی ہے۔''

''ہرگز نہیں.... میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔'' خاور نے کہا۔تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔''تم آخر انہیں بے نقاب کر کے پولیس کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے۔تمہارا فرض ہے۔ اچھے لڑکے آدمی بنو۔ بُروں کو ان کی منزل تک پہنچا دو تاکہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے۔انہیں بلیک میل کر کے کھلی چھٹی دے رکھنا بھی جرم ہے۔''

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے سے ایک کریہہ سی چیخ ابھری اور خاور چونک پڑا۔

گوریلے کی دیوانگی

چند لمحے سکوت میں گزرے پھر خاور نے اپنے آدمیوں سے کہا۔''دیکھو یہ کون چیخا تھا۔''

وہ چاروں تیزی سے باہر نکل گئے اور خاور پرسکون انداز میں انور کی طرف مڑا۔

''تم خطرات میں گھرے ہوئے ہو۔'' اس نے کہا۔

''مجھے پوری طرح احساس ہے۔'' انور نے اعترافاً سر کو جنبش دی۔

''میری دانست میں تم اس طرح محفوظ رہ سکو گے کہ ان لوگوں کو بلیک میل کرنے کی بجائے پولیس کی مدد کرو۔''

''آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔'' انور مسکرایا۔''اس لئے میرا خیال ہے کہ آپ ان کے کاروبار سے بھی بخوبی واقف ہوں گے۔''

''میں کسی چیز سے واقف نہیں ہوں۔لیکن یہ میرا کام نہیں ہے کہ دوسروں کے راز افشاء کرتا پھروں۔ورنہ روحانی قوتوں کے مالک تھانے داری کرتے نظر آتے۔'' خاور نے قہقہہ لگایا۔

اتنے میں اس کے چاروں آدمی واپس آ گئے۔

''کیوں کیا بات تھی۔'' خاور نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' ایک بولا۔ ''پوری عمارت میں ہم چھ آدمیوں کے علاوہ اور کوئی بھی موجود نہیں۔''

''پھر کیا بات تھی۔'' خاور بڑبڑایا۔

دفعتاً ایک بند دروازے کی پشت سے کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی۔ خاور چونک کر ادھر مڑا۔ اس کے آدمی بھی متوجہ ہو گئے تھے۔

''اپنی روحانی قوتوں کو بروئے کار لاؤ۔'' دروازے کی پشت سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔ ''پتہ لگاؤ کہ میں کون ہوں اور ابھی تم نے کس کی چیخ سنی تھی۔''

انور نے خاور کی آنکھوں میں سراسیمگی کے آثار دیکھے۔ پھر وہ تیزی سے اپنے آدمیوں کی طرف مڑا ہی تھا کہ آواز آئی۔ ''خبردار یہاں سے کوئی جنبش بھی نہ کرے۔ ورنہ اس بار کوئی شعبدہ کام نہ آئے گا۔ پانچ لاشیں فرش پر تڑپتی نظر آئیں گی۔''

''تم کون ہو؟ سامنے آؤ۔'' خاور غرایا۔

''روحانی قوت کام میں لاؤ۔'' لہجہ مضحکانہ تھا۔

انور کو اس کی آنکھوں میں پھر اضطراب کی لہریں نظر آئیں۔

''اگر میں اپنی روحانی قوت کو کام میں لایا تو تم کوئلے کے مجسمے میں تبدیل ہو جاؤ گے۔'' خاور نے یہ جملہ تن کر کہا تھا لیکن آواز کا کھوکھلا پن انور سے نہ چھپ سکا۔

''ٹھہرو....!'' آواز آئی اور پھر دروازے پر زوردار ٹھوکر پڑی۔ دونوں پاٹ کھل گئے۔

انور بوکھلاہٹ میں لڑکھڑایا۔ سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے فلٹ ہیٹ کا گوشہ اٹھاتے ہوئے کمرے میں قدم رکھا۔ یہ انسپکٹر فریدی تھا۔ اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ تھی۔

''تم کون ہو؟ اور میرے مکان میں بغیر اجازت کیوں داخل ہوئے۔'' خاور غرایا۔

''بڑی عجیب بات ہے۔'' فریدی کا لہجہ طنزیہ تھا۔ ''اب بھی تمہاری روحانی قوت مجھے پہچاننے سے قاصر رہی۔''

خاور کے آدمیوں نے آگے بڑھنا چاہا۔

''ٹھہرو۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔''اس متبرک چھت کے نیچے جھگڑا نہیں ہوسکتا کیوں مہاتما کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔ خدا نے تمہیں ایک خاص مشن پر بھیجا ہے۔ یہ بھی مجھے تسلیم ہے۔''

''ہاں..... تم لوگ دخل اندازی سے باز رہو۔'' خاور نے اپنے آدمیوں سے غصیلے لہجے میں کہا۔

''میں نے غلط تو نہیں کہا تھا دوستو۔'' فریدی مسکرایا۔

وہ جہاں تھے وہیں رک گئے۔

خاور نے آنکھیں بند کرلیں۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ فریدی نے انور کی طرف دیکھ کر بائیں آنکھ دبائی اور حقارت آمیز انداز میں مسکراتا رہا۔ انور نے اسے ایسے کھلنڈرے موڈ میں کم ہی دیکھا تھا۔

خاور نے آنکھیں کھولیں اور انور نے محسوس کیا کہ وہ بڑی حد تک خود پر قابو پا چکا ہے۔

''کیا میں ایک سرکاری آفیسر سے پوچھ سکتا ہوں کہ اس سے یہ غیر قانونی حرکت کیوں سرزد ہوئی۔''

''یہاں سے میری روحانی قوت کی کہانی شروع ہوتی ہے۔'' فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔''تم یہی چاہتے تھے نا کہ یہ بلیک میلر راہِ راست پر آجائے۔''

''ہاں میں یہی چاہتا تھا۔''

''بس تو پھر اب یہ راہ راست پر آجائے گا۔'' فریدی بولا۔

''خیر خیر..... میں یہ جسارت قابل معافی سمجھتا ہوں۔ محض اس لئے کہ تم ایک لائق آفیسر ہو۔ تم سے ملک وقوم کو بہتیرے فائدے پہنچے ہیں۔''

''اور اس وقت میں نے تمہاری مشکل بھی آسان کردی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' خاور چونک پڑا۔

''تم یہی معلوم کرنا چاہتے ہو نا کہ اس بلیک میلر کی پشت پر حقیقتاً کون ہے۔ لو دیکھ لو۔ اس نے وہ حرکت میرے ہی ایماء پر کی تھی۔''

''مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔'' خاور نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔'' بھلا میں یہ کیوں جاننا چاہوں گا۔ کیا مجھے معلوم نہیں تھا۔''

''ٹھیک ہے۔ اسی لئے یہ ڈرامہ اسٹیج کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔'' فریدی مسکرایا۔

''پہلے اسے کافی میں کوئی نشہ آور چیز دی گئی پھر دو آدمی اسے کلب سے نکال لائے۔ راستے میں تم سے مڈ بھیڑ ہوگئی اور تمہاری روحانی قوت نے انہیں بھاگنے پر مجبور کردیا۔ پھر یہاں تمہاری روحانی قوت نے ایک نقاب پوش پیدا کیا۔''

''ٹھہرو۔'' خاور ہاتھ اٹھا کر بولا۔''تم شاید کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے اس کرائم رپورٹر کو مرعوب کرنے کے لئے یہ سب کچھ خود ہی کیا تھا۔''

''لفظ مرعوب پر مجھے اعتراض ہے۔'' فریدی مسکرایا۔''نہیں مرعوب کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے۔''

''اعتماد..... میں نہیں سمجھا۔''

''اپنی روحانی قوت کو آواز دو سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔ خیر تمہاری آسانی کے لئے بتادوں گا کہ....'' فریدی خاموش ہوکر اُسے گھورنے لگا۔

''تم نے مجھ سے الجھ کر اچھا نہیں کیا انسپکٹر۔'' خاور بھی اسے گھورتا ہوا بولا۔

''اس کی فکر تمہیں نہیں ہونی چاہئے۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم اس سے وہ ذرائع معلوم کرنا چاہتے تھے جو اس کی معلومات کا باعث بنے ہیں۔ لیکن تمہیں علم ہے کہ انور سے کوئی بات معلوم کرلینا آسان نہیں۔ خواہ تشدد ہی کیوں نہ بروئے کار لایا جائے۔''

''پھر کہوں گا کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔'' خاور ہنس پڑا۔

''بکواس بند کرو۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''مجھے غصہ مت دلاؤ لڑکے۔'' خاور کا موڈ پھر بگڑ گیا۔

''میں تمہیں اس حد تک غصہ دلانے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ تم پاگل ہوجاؤ۔''

''حد ہوگئی.... حد ہوگئی۔'' خاور کا ایک ساتھی مٹھیاں بھینچ کر بولا۔''بابا حکم دیجئے۔''

خاور نے سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا اگر تم انہیں حکم دے دو۔ میں عرصہ سے بہانہ تلاش کررہا ہوں کہ کسی طرح تمہاری کلائیوں میں زیور ڈال سکوں۔''

''اچھا یہ بات ہے۔'' خاور نے آنکھیں نکالیں۔ ''اب تم دیکھنا حشر اپنا۔ بس جاؤ.... چلے جاؤ۔''

''ظاہر ہے یہاں قیام کرنے کی نیت سے نہیں آیا تھا۔ لیکن مجھے تم سے شکایت ضرور رہے گی۔''

''کیا مطلب....؟''

''تم نے میرا شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔''

''کس بات کا۔''

''تمہیں انور پر بہت محنت کرنی پڑتی لیکن اس کے باوجود بھی تم اس سے کچھ نہ معلوم کرسکتے کیونکہ یہ بھی تھوڑی بہت روحانی قوتوں کا مالک ہے۔ میں نے کہا کیوں نہ تمہیں بتا دوں کہ اس بلیک میلنگ کی پشت پر میں ہی ہوں۔''

''تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔'' خاور نے کہا۔ ''مجھے اس سے کیا غرض ہوسکتی ہے۔ میں تو خود اسے ہی سمجھا رہا تھا کہ پولیس کو مطلع کردو۔ مجرموں کو بلیک میل کرنے سے تمہیں تو فائدہ ہوسکتا ہے لیکن عوام خسارے میں رہتے ہیں۔''

''یہ سمجھاتے وقت تمہاری روحانی قوت کہاں سو رہی تھی۔ تمہیں تو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ پولیس خود ہی اس بلیک میلنگ کی حوصلہ افزائی کررہی ہے۔''

''بس جاؤ.... خدا کے لئے جاؤ۔ تم پر اگر مصیبتیں نازل نہ ہوں تو یہی سمجھنا کہ وقت کو تمہارے کسی بہت بُرے دور کا انتظار ہے.... میرا مضحکہ اڑانے والے آج تک خوش نہیں دیکھے گئے۔'' خاور خاموش ہوکر ٹہلنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے وہ خود پر قابو پانے کے لئے ٹہل رہا ہو۔ پھر دفعتاً وہ رکا اور فریدی کو چند لمحے

گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ ''اس شہر میں بہتیرے ایسے آدمی ملیں گے جو مجھے فراڈ سمجھتے ہیں....تم بھی انہی میں سے ایک ہو۔''

''میں ان میں سے نہیں ہوں۔'' دفعتاً انور نے غصیلی آواز میں کہا۔ وہ فریدی کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

''ابھی میں نے اس پر غور ہی نہیں کیا کہ تمہارے سلسلے میں مجھے کیا کرنا ہے۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ انور نے اس کے ساتھ چلے جانے کی کوشش نہیں کی۔

فریدی نے جیسے ہی دروازے میں قدم رکھا کوئی چیز اوپر سے اس پر گری اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ سیاہ رنگ کا سانپ اس کے شانوں سے پھسل کر فرش پر آ گرا تھا۔ وہ پھن اٹھا کر اس پر لپکا۔

''بہت اچھے۔'' فریدی نے قہقہہ لگایا۔

''رحم کیجئے خاور صاحب۔'' انور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' خاور نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ ''خدا ہی میری توہین نہیں برداشت کرسکتا۔''

سانپ بدستور پھن اٹھا اٹھا کر فریدی پر حملے کر رہا تھا۔ لیکن ابھی تک فریدی محفوظ رہا تھا۔

''آپ اس سے کیوں الجھ رہے ہیں جلدی سے باہر نکل جایئے۔'' انور نے جھنجھلا کر کہا۔

''ایسے کھیل مجھے پسند ہیں فرزند۔'' فریدی نے جواب دیا۔ وہ اب گھٹنوں کے بل کھسکتا ہوا سانپ کے وار خالی دے رہا تھا۔

''خود خاور بھی آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔ دفعتاً فریدی نے سانپ کی دم پکڑ کر جھٹکا دیا۔ اتنی تیزی سے کہ وہ پلٹ بھی نہ سکا اور اب فریدی سیدھا کھڑا نظر آیا۔ سانپ کسی بے ضرر کیچوے کی طرح اس کے ہاتھ میں لٹکا ہوا تھا۔ اس کی زبان اب بھی بار بار منہ سے باہر آ رہی تھی لیکن وہ اپنے جسم کو جنبش نہیں دے سکتا تھا۔

فریدی نے اُسے فرش پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اب کسی دوسری بلا کو آواز دو۔ اس کی تو ساری ہڈیاں جوڑوں سے الگ ہوگئی ہیں۔''

''خدا کی پناہ۔'' خاور متحیرانہ انداز میں بولا۔ ''تم نے یہ فن کہاں سے سیکھا۔''

فریدی کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ انور نے اس کو اسی دروازے سے گزرتے دیکھا جس سے کچھ دیر پہلے نکلنے کی کوشش کی تھی۔

پھر اس کے قدموں کی آوازیں بھی سناٹے میں گم ہوگئیں۔

''خدا اس کے حال پر رحم کرے۔'' خاور نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مستقبل بے حد تاریک نظر آرہا ہے۔''

''نہیں بابا....رحم کیجئے۔'' انور گڑگڑایا۔ ''وہ صرف ضدی آدمی ہیں۔ دل کے بُرے نہیں۔''

''چلے جاؤ۔'' خاور حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ ''تم سب فراڈ ہو۔ تمہاری نیت بھی مجھ پر روشن ہے۔ جاؤ ورنہ تم اتنے باکمال نہیں ہو کہ کسی سانپ کی ہڈیاں الگ کرسکو۔''

''یہ بات بھی سو فیصدی درست ہے۔'' انور نے سر ہلا کر کہا۔ ''میری کبھی کسی مداری سے دوستی نہیں رہی۔ لیکن آپ یقین کیجئے کہ میں دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔ مجھ پر بھی رحم کیجئے۔ اگر آپ کا علم مجھے فراڈ قرار دیتا ہے تو میں یہی سمجھوں گا کہ آپ کا علم جھوٹا ہے۔''

خاور نے اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔ انور آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس کے قریب پہنچ کر دو زانو ہوتے ہوئے پیر پکڑ لئے۔

''مجھے ایسے ہی کسی مرد کامل کی تلاش تھی بابا....مجھ پر رحم کیجئے۔'' گڑگڑاہٹ رقت آمیز تھی۔

''اٹھو....کھڑے ہو جاؤ....!'' خاور نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔

انور اٹھ کر چار قدم پیچھے ہٹا اور مؤدب کھڑا رہا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''مجھے وحیدہ بانو سے عشق ہوگیا ہے۔ لیکن دولت کی دیوار ہمارے درمیان حائل ہے۔''

''وحیدہ بانو کون ہے۔''

''نواب توقیر الزماں کی لڑکی۔''

''تو پھر تم کیا چاہتے ہو۔''

''شادی مگر میں مفلس ہوں....؟''

خاور نے آنکھیں بند کرلیں۔ اسی طرح کھڑا رہا پھر آنکھیں کھول کر بولا۔ ''تم پاگل ہوگئے ہو۔ اس چکر میں نہ پڑو۔ اس لڑکی کے ستارے تمہارے ستاروں سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اگر شادی ہوگئی تو تمہیں کتوں کی موت مرنا پڑے گا۔''

''میں سب کچھ بھگتنے کو تیار ہوں۔''

''میں حق تلفیوں کا ذریعہ بننا پسند نہیں کرتا۔'' خاور نے خشک لہجے میں کہا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''میں اس لڑکی کی حلق تلفی کی بات کررہا ہوں جس نے تمہارے لئے خود کو برباد کرلیا ہے جس کی رگوں میں ایک مطلق العنان بادشاہ کا خون دوڑ رہا ہے جو.....!'' خاور خاموش ہوگیا۔

''وہ صرف میری دوست ہے۔''

''شادیاں بھی دشمنوں سے نہیں ہوتیں۔''

''نہیں یہ ناممکن ہے۔ اس سے شادی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''پھر تم ساری زندگی کنوارے ہی رہو گے۔ تمہارے ستارے صرف اسی کے ستاروں سے ملتے ہیں.... دنیا کی واحد لڑکی یا اسی سے شادی ہوگی یا پھر کسی سے بھی نہیں ہو سکے گی۔''

''میں کیا کروں....!'' انور بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔

''بس آدمی بنو۔'' خاور نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اب تم جا سکتے ہو۔''

ڈاکٹر ڈف جاگ پڑا۔ کوئی باہر سے گھنٹی بجا رہا تھا۔ کلاک نے ٹھیک اسی وقت دو

بجائے۔ وہ کمبل پھینک کر اٹھا۔ اتنی رات گئے کون آیا ہے؟ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا ہوا کمرے سے راہداری میں آ گیا۔ سوئچ آن کر کے بلب روشن کیا۔ جلدی میں سلیپنگ گاؤن ڈالنا بھی بھول گیا تھا۔

صدر دروازہ کھولتے ہی ایک یورپین پر نظر پڑی۔ شاید آنے والے نے خود ہی برآمدے کا بلب روشن کیا تھا۔

ڈاکٹر ڈف نے بُرا سا منہ بنایا۔ لیکن قبل اس کے کہ کچھ کہتا یورپین نے اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھا گیا۔

''ہنری واگھن.... سی آئی بی۔'' ڈاکٹر نے بلند آواز میں کارڈ پڑھا پھر متحیرانہ لہجے میں بولا۔ ''ہاں پھر.... میں آپ کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔''

''کرنا تو مجھے ہے ڈاکٹر۔'' سارجنٹ ہنری نے کہا۔ ''آپ نے کوئی رپورٹ درج کرائی تھی۔''

''ہاں.... مگر اب ہوش آیا ہے آپ لوگوں کو۔ دو بجے رات کو.... یہ بھی کوئی وقت ہے۔''

''بہت مناسب وقت ہے ڈاکٹر۔'' ہنری بولا۔

''آیئے.... اندر آیئے....!'' ڈاکٹر ڈف راہداری میں مڑتا ہوا بولا۔ پھر پلٹ کر دہاڑا ''چوکیدار....!''

''جی صاحب۔'' قریب ہی سے آواز آئی۔

''دروازہ کھلا ہوا ہے۔ خیال رکھنا۔'' ڈاکٹر غرایا۔

''اچھا صاحب۔'' جواب ملا۔

گھنٹی کی آواز ہی نے شاید ریگی کو بھی جگا دیا تھا۔ ہنری نے اُسے راہداری میں کھڑے دیکھا۔ اس نے بھی یہ محسوس کیا کہ ریگی اسے دیکھ کر کسی قدر بدحواس نظر آنے لگی ہے۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے اور ڈاکٹر نے پلٹ کر ریگی سے کہا۔ ''بے بی.... جاؤ.... سو جاؤ.... تم کیوں اٹھ گئی ہو۔'' پھر ہنری سے بولا۔

''بیٹھیے مسٹر....!''

''ہنری کہتے ہیں مجھے۔'' ہنری بیٹھتا ہوا بولا۔

ریگی اندر نہیں آئی تھی۔ ہنری نے اطمینان کا سانس لیا۔ غالباً وہ نہیں چاہتا تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے اپنی جان پہچان ظاہر کریں۔

''ہاں.... اتنی رات گئے۔'' ڈاکٹر ڈف اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں ڈاکٹر۔'' ہنری نے لجاجت سے کہا۔ ''لیکن ایک دشواری آپڑی ہے۔''

''کیسی دشواری۔''

''آپ نے ایک نامعلوم آدمی کے خلاف رپورٹ درج کرائی تھی کہ وہ آپ کے مکان میں گھسا تھا۔ لیکن اس سے پہلے ہی ایک رپورٹ آپ کے خلاف بھی آگئی تھی۔ یہ ایک ایسے آدمی کی رپورٹ ہے جو خرگوش پکڑتا ہے اس کا بیان ہے کہ وہ آپ کے مکان کی پشت پر جھاڑیوں میں خرگوش تلاش کررہا تھا کہ آپ نے اُسے خواہ مخواہ للکار کر مارا پیٹا ہے۔''

''یہ بکواس ہے۔'' ڈاکٹر ڈف میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا۔

''ڈاکٹر خدا کے لئے سنجیدگی سے گفتگو کیجئے۔'' ہنری نرم لہجے میں بولا۔ ''وہ بھی کوئی گیا گزرا آدمی نہیں ہے۔ دولت مند ہے۔ خرگوش کی کھالیں ایکسپورٹ کرتا ہے۔ اکثر خود بھی خرگوشوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے.... آخر اُسے کیا سوجی تھی کہ وہ آپ کی چھت پر جا چڑھا۔ سوچئے تو کسے یقین آئے گا اس پر۔''

''تو میں جھوٹا ہوں؟'' ڈاکٹر ڈف نے آنکھیں نکالیں۔

''میں یہ نہیں کہتا ڈاکٹر۔ سوچ بھی نہیں سکتا۔ حالانکہ مجھے علم ہے کہ آپ سفید چمڑی والے سے بے تحاشہ نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی مجھے آپ سے ہمدردی ہے آپ سے بڑا ماہر حشرات الارض یہاں اور کون ہے۔''

''آپ یہ کیا جانیں کہ مجھے سفید چمڑی والوں سے نفرت ہے۔''

''میرا تعلق سی آئی بی سے ہے ڈاکٹر۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھنے لگا جو سوا دو بجا رہا تھا۔

''یہی کہ آپ ذرا اس آدمی کو شناخت کر لیں.... جسے آپ نے مارا پیٹا تھا۔''

''وہ مجھے کہاں ملے گا۔''

''میرے پاس تصویر موجود ہے۔ اگر وہی ہوا تو....!''

''جلدی کیجئے۔ سوا دو بج رہے ہیں۔ میں شب بیداریوں کا عادی نہیں ہوں۔''

ہنری نے حمید کی وہی میک اپ والی تصویر نکالی جس میں اس نے گوریلے سے ملاقات کی تھی۔

''یہی ہے!'' ڈاکٹر بیساختہ بولا۔ ''بلاشبہ یہی ہے۔ میری یادداشت دھوکا نہیں دے سکتی۔''

''تب پھر یہی وہ شخص ہے جس نے آپ کے خلاف رپورٹ درج کرائی تھی۔''

''میری رپورٹ سے پہلے۔''

''جی ہاں۔''

''اس کی تصویر کہاں سے ملی آپ کو۔'' ڈاکٹر کے لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی۔

''آپ کی رپورٹ پہنچنے پر اُسے پھر طلب کیا گیا تھا۔ الجھا دینے والی بات تھی۔ اس لئے اس کی لاعلمی میں یہ تصویر کھینچی گئی تا کہ اُسے سامنے لائے بغیر ہی شناخت ہو سکے۔''

''میرا خیال ہے کہ میرے خلاف کوئی بڑی سازش کی جا رہی ہے۔''

''کس پر شبہ ہے آپ کو....؟''

''فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' ڈاکٹر تصویر کو گھورتا ہوا بولا۔ ''لیکن یہ آدمی میرے لئے قطعی طور پر اجنبی ہے۔ اس واقعہ سے پہلے میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔''

''کھل جایئے ڈاکٹر ورنہ....!''

''کیا مطلب....!'' ڈاکٹر پھر اُسے گھورنے لگا۔

''یہ بتایئے کہ اس سے آپ کا جھگڑا کس بات پر ہوا تھا۔''

''کیا آپ میری رپورٹ پڑھ چکے ہیں۔'' ڈاکٹر اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

''جی ہاں....اچھی طرح۔''

''پھر کیا اس میں جھگڑے کی وجہ درج نہیں ہے۔''

''آپ نہیں سمجھے۔میرا مطلب آج کے جھگڑے سے نہیں۔''

''ہوں....!'' ڈاکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے آنکھیں نکالیں۔''میں سمجھنے کی کوشش کررہا ہوں آپ غالباً یہی کہنا چاہتے ہیں کہ ہماری پرانی جان پہچان تھی۔ اچانک نا چاقی ہوگئی پھر ایک بڑا جھگڑا ہوگیا اور ہم دونوں بالکل اجنبیوں کی طرح ایک دوسرے کے خلاف کیس لے دوڑے۔''

''شکریہ ڈاکٹر....میں یہی کہنا چاہتا تھا۔''

''دو بج کر بیس منٹ ہوگئے۔'' ڈاکٹر اٹھتا ہوا بولا۔''اب آپ جاسکتے ہیں۔''

''اگر وہ واقعی آپ کے لئے اجنبی تھا تو....!'' ہنری نے بھی اٹھتے ہوئے تشویش کن لہجے میں کہا۔''تو آپ یقیناً بڑی الجھنوں میں مبتلا ہونے والے ہیں۔''

''کیوں؟''

''وہ دولت مند ضرور ہے لیکن.....لیکن ....شاید آپ تصور بھی نہ کرسکیں کہ کتنا خطرناک آدمی ہے۔''

''بیٹھ جائیے۔'' ڈاکٹر ڈف نے ہاتھ ہلا کر کہا۔''مجھے اس کے متعلق بتائیے۔''

''بہت بارسوخ آدمی ہے۔ایک شریف بدمعاش۔ قانون شکنی کا ماہر۔ ایسا کہ قانون بھی ابھی تک اُسے گرفت میں لینے سے معذور رہا ہے۔''

''لیکن ایسے کسی آدمی کو مجھ سے کیا سروکار ہوسکتا ہے۔''

''اس پر تو آپ ہی روشنی ڈال سکیں گے۔ ذہن پر زور دیجئے۔''

''یقین کرو دوست وہ میرے لئے قطعی اجنبی تھا۔''

''اچھی بات ہے۔اگر آپ وعدہ کریں ڈاکٹر.....کہ آئندہ یورپیوں سے نفرت نہیں کریں گے تو میں.....!''

''تو تم کیا کرو گے میرے لئے۔''

''بہت غور کر کے کوئی قدم اٹھایا جائے گا۔ بہرحال میں آپ کی ہر ممکن مدد کے لئے حاضر ہوں۔''

''ڈیڈی....ڈیڈی....!'' یک بیک ریگی کی چیخیں سنائی دیں۔

ڈاکٹر ڈف اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا۔ ریگی کی آواز راہداری ہی سے آئی تھی.... ہنری جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا پھر یک بیک کسی گوریلے کی غراہٹ سنائی دی....اور ڈاکٹر بھی چیخنے لگا....''مسٹر....مسٹر آفیسر....پلیز....دوڑو....!''

ہنری بہت اطمینان سے اٹھا۔ انداز میں وحشت یا بیساختگی نہیں تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی نظر آئی۔

''آفیسر....آفیسر....!'' ڈاکٹر کی چیخ پھر سنائی دی۔ اس بار ہنری نے بھی خواہ مخواہ اپنے حلق سے متعدد قسم کی آوازیں نکالیں اور آواز کی طرف سرپٹ دوڑتا چلا گیا.... غالباً یہ بھی ایکٹنگ تھی....لیکن کیا مجال کہ بناوٹ کا شبہ بھی ہو جاتا۔

وہ ایک کمرے میں داخل ہوا۔ یہ غالباً ریگی کی خواب گاہ تھی۔ بڑا وحشت ناک منظر تھا یہاں کا۔

بپھرے ہوئے گوریلے نے ایک ہاتھ پر بے ہوش ریگی کو سنبھال رکھا تھا اور دوسرے سے ڈاکٹر کو دھکیلتا جا رہا تھا۔ بڑی خوفناک قسم کی غراہٹیں اس کے حلق سے نکل رہی تھیں۔

''بچاؤ....آفیسر....میری بچی کو بچاؤ۔''

''ہٹو....ہٹ جاؤ پروفیسر۔سامنے سے ہٹ جاؤ'' ہنری ریوالور نکالتا ہوا چیخا۔

''مم....مم....نہیں گولی مت مارنا.... یہ شاید....اوہ....میرے خدا....فینٹم فینٹم....!''

''پاگل ہوئے ہو ڈاکٹر ہٹو....ورنہ میں تمہیں بھی گولی مار دوں گا۔ کیا تمہیں یہ فینٹم اس لڑکی سے بھی زیادہ عزیز ہے۔''

گوریلے نے ہنری کو دیکھا اور پھر شاید اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر ہی ریگی کو پلنگ پر اچھال دیا۔

''فینٹم فینٹم ....!'' ڈاکٹر ڈف پھر دھاڑا۔ لیکن گوریلا اتنی دیر میں ہنری پر جھپٹ چکا تھا۔

پے در پے چار فائر ہوئے۔

''آفیسر.... آفیسر.... پاگل کمبخت .... یہ کیا کیا تم نے۔'' ڈاکٹر نے دیوارنہ وار ایک مکا ہنری کے کاندھے پر رسید کر دیا۔ گوریلا ڈھیر ہو چکا تھا۔ اس کی غراہٹیں سسکیوں میں تبدیل ہوتی جارہی تھیں اور فرش پر خون پھیل رہا تھا۔

''میں پاگل ہوں یا تم.....!'' ہنری ڈاکٹر کو دھکا دیتا ہوا غرایا۔ ''ہوش کی دوا کرو۔ ورنہ ہتھکڑیاں ڈال کر گھسیٹتا ہوا لے جاؤں گا۔''

کئی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں راہداری میں سنائی دیں اور پھر چوکیدار دکھائی دیا۔ دو ملازم بھی اس کے ساتھ تھے جنہیں شاید وہ شاگرد پیشے سے سوتے سے اٹھالایا تھا۔ ان کی نیند میں ڈوبی ہوئی وحشت زدہ آنکھیں یہی کہہ رہی تھیں۔

ڈاکٹر دیوار سے ٹکا حیرت سے آنکھیں پھاڑے دم توڑتے ہوئے گوریلے کو دیکھ رہا تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔ ریگی جس حال میں پڑی تھی پڑی رہی۔ ڈاکٹر کی توجہ اس کی جانب مبذول نہ ہوسکی۔ نوکر دم بخود کھڑے تھے۔

''مجھے حیرت ہے ڈاکٹر۔'' ہنری نے قبرستان کا سناٹا توڑا۔

ڈاکٹر ڈف نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بے ہوش ریگی کی طرف مڑ گیا۔ چند لمحے اس پر جھکا رہا پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ ''اس گوریلے کو میں نے اس وقت پالا تھا جب یہ صرف چھ دن کا تھا۔ تم نے بہت بُرا کیا۔ بہت بُرا۔ مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ خود اُسے کیا ہو گیا تھا.... اس پر دیوانگی کیوں سوار ہوگئی تھی۔ میرے خدا۔''

ڈاکٹر نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپالیا۔ وہ حقیقتاً بہت پریشان نظر آرہا تھا۔

کار میں کوبرا

اپنے وقت کا حیرت انگیز ترین آدمی بڑے دلآویز انداز میں مسکرار ہا تھا اور سارجنٹ حمید نے ایسا پوز بنا رکھا تھا جیسے تن من دھن سے قربان ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

سارجنٹ ہنری کی آنکھوں سے صرف عقیدت جھانک رہی تھی۔

''مگر مجھے کیوں اندھیرے میں رکھا جاتا ہے سرکار۔'' حمید نے کہا۔

''مصلحتاً....!'' فریدی کا مختصر سا جواب تھا۔ اس نے سگار سلگایا۔ دو تین ہلکے کش لئے اور پھر بولا۔ ''اس تدبیر سے ہنری کے لئے دروازہ بھی کھل گیا اور تمہارے لئے بنگلے کی عقبی دیوار بھی محفوظ ہو گئی۔''

''مگر گوریلا پاگل کیسے ہو گیا تھا۔''

''شکر قند....!''

''لاحول ولاقوۃ....!'' حمید نے جھلا کر دونوں ہاتھ زانوں پر مارے اور فریدی ہنس پڑا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ ''رات کو گوریلا عموماً چھت ہی پر رہتا تھا۔ بہترین محافظ۔ اس سے تو ہر حال میں پیچھا چھڑانا ہی تھا۔ ایک شکر قند کافی ہوئی تھی اس کے لئے۔''

''اوہ تو آپ نے شکر قند میں کسی قسم کا زہر انجکٹ کیا تھا۔''

''ہاں....اور پھر وہ چھت پر پھینک دی گئی تھی۔ پھر ہنری اسی وقت عمارت میں داخل ہوا تھا جب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ گوریلا شکر قند ہضم کر چکا ہوگا۔ ڈاکٹر کی حیرت حق بجانب تھی۔ کیونکہ وہ گوریلا گھر کے افراد کے لئے بالکل بے ضرر تھا۔''

''تو وہ زہر تھا۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''میں سمجھا تھا شاید کم بخت کسی فٹ پاتھی حکیم کی نقرئی گولیاں چبا گیا تھا۔ مگر ٹھہرئیے....آخر آپ گوریلے کے پیچھے کیوں پڑ گئے تھے۔''

''اس کی موجودگی میں اپنا کام جاری نہ رکھ سکتا۔''

''کیا سچ مچ وہاں آپ کو انسانی اعضاء کی تلاش ہے۔''

''یہ حقیقت ہے۔''

''لیکن ٹھہرئیے تو.... کیا جرم ہے۔''

''بعض حالات میں.... میں جانتا ہوں کہ وہ ایک سائنٹسٹ ہے.... ماہر حشرات الارض ہے۔ اگر اس کے یہاں انسانی اعضاء پائے جاتے....!''

ایک نوکر طشتری میں کسی کا وزیٹنگ کارڈ لئے داخل ہوا اور بات جہاں کی تہاں رہ گئی۔

فریدی نے کارڈ لے کر دیکھا اور جیب میں رکھ لیا۔

''تم دونوں یہیں ٹھہرو۔ اس کمرے سے باہر قدم نکالنے کی ضرورت نہیں۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

پھر وہ ڈائننگ روم میں آیا۔ یہاں انور اس کا منتظر تھا۔

''بیٹھو.... بیٹھو....!'' فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

''میں بڑی الجھن میں ہوں۔''

''کیوں....'' فریدی صوفے کے ہتھے سے ٹکتا ہوا مسکرایا۔

''خاور.... میری سمجھ سے باہر ہے۔''

''فی الحال میں بھی اسے زیادہ نہیں سمجھ سکا۔''

''اس کے علاوہ بھی ایک الجھن ہے۔''

''کہتے چلو۔'' فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔

''آپ نے رانا پرمود کے متعلق جو کچھ بھی کہا تھا خود کو سامنے لائے بغیر کہا تھا۔ یعنی اسکے آدمیوں کو متوجہ کرنے کیلئے مجھے بلیک میلر بننا پڑا تھا۔ پھر آپ یک بیک سامنے کیوں آ گئے۔''

''صرف اسی حد تک کہ پس پردہ رہنا مناسب تھا جب تک خاور روشنی میں نہ آ جاتا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''رانا پرمود سے زیادہ مجھے خاور کی فکر تھی۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ بھی ان معاملات سے دلچسپی لیتا ہے یا نہیں۔ اتفاقاً وہ جلد ہی روشنی میں آ گیا۔ ورنہ میری اسکیم تو طویل

تھی۔ کہیں نہ کہیں اسے سامنے آنا ہی پڑتا۔''

''سمجھ گیا۔ لیکن شاید ابھی تک اس کی پوزیشن آپ کے ذہن میں واضح نہیں ہوسکی۔''

''یہ حقیقت ہے۔''

''کچھ بھی ہو۔ لیکن اب وہ لوگ ہوشیار ہو گئے ہیں۔ آپ نے سامنے آ کر....!''

''پرواہ مت کرو۔'' فریدی نے شانوں کو جنبش دی۔ ''میں جانتا ہوں کہ میں نے اپنے لئے کئی طرح کے خطرات مول لئے ہیں۔ لیکن ان کے بغیر کام بھی تو نہ چلتا۔''

''آپ کے لئے خطرات....!''

''ہاں کسی وقت بھی سپرنٹنڈنٹ مجھے طلب کر کے پھٹکار سکتا ہے۔''

''کیوں؟''

''خاور بہت مقبول آدمی ہے۔ میں نے بھڑوں کے چھتے میں چھیڑا ہے۔ ہمارے ایس پی مارش اسمتھ صاحب بھی اس کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔''

''لیکن میری اطلاعات کے مطابق یہ کیس آپ کو اسمتھ ہی سے ملا ہے۔''

''خوب! بہت اچھے جا رہے ہو۔'' فریدی مسکرایا۔ ''اب میرے محکمے کی اطلاعات بھی تم تک اتنی آسانی سے پہنچنے لگی ہیں۔''

''ذرہ نوازی ہے آپ کی۔'' انور ڈھٹائی سے مسکرایا۔

''خیر.... ہاں تو یہ کیس مجھے مسٹر اسمتھ ہی سے ملا تھا۔ لیکن ان کے فرشتوں کو بھی شاید علم نہ ہو کہ ان معاملات سے خاور بھی کسی قدر سروکار رکھتا ہے۔ اب دیکھو نا اس نے خود کو اس معاملے سے الگ رکھنے کے لئے کتنا شاندار ڈرامہ اسٹیج کیا تھا۔ دو ہزار تمہیں مل چکے تھے۔ لیکن انہیں اطمینان نہیں تھا کہ تم روپیوں سے سیدھے رہ سکو۔ یہی خیال تشدد کے متعلق بھی رہا ہوگا۔ اسلئے خاور کی اسکیم بروئے کار لائی گئی۔ سچ کہنا کیا تم اسکی حرکات سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔''

''بے تحاشہ ہوا تھا۔''

''پھر بتاؤ.... کیا تم آہستہ آہستہ اس کے سامنے سب کچھ اگل نہ دیتے۔ وہ دراصل یہ معلوم

کرنا چاہتا تھا کہ تمہیں اس بلیک میلنگ اسٹف کا علم کن ذرائع سے ہوا تھا۔"

"لیکن آخر یہ رانا پرمود کیا بلا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اُسے دس سال سے کسی نے دیکھا نہیں۔"

"دس سال۔" فریدی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "یہاں تمہاری اطلاعات کے ذرائع مہمل نظر آتے ہیں۔ ارے اُسے کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ انگلینڈ میں پیدا ہوا تھا اور وہیں رہ گیا تھا۔"

"اوہ....تو پھر ریاست کا کاروبار کیسے چلتا ہے۔"

"ایک انگریز منتظم ہے اور رانا پرمود کا پراسرار سیکریٹری۔ خود رانا مستقل طور پر یورپ ہی کے کسی ملک میں مقیم ہے۔"

"اتنا معلوم ہو جانے کے باوجود بھی میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"کیا.... پرنسز تارا کی بھی نگرانی ہو رہی ہے۔"

"یہ کون ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"رانا.... پرمود کی بھتیجی.... پرمود ہاؤز ہی میں رہتی ہے۔ میں نے اکثر حمید کو اس کے آس پاس منڈلاتے دیکھا ہے۔"

"خوبصورت ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"پرمود کے چھوٹے بھائی نے کسی یورپین عورت سے شادی کی تھی۔ اس کی اولاد ہے خاصی دلکش....!"

"یہ بڑی اچھی خبر سنائی تم نے۔" فریدی نے کہا اور سگار کے دو تین طویل کش لے کر اٹھ گیا۔

"اب مجھے کیا کرنا ہے۔ ویسے میں خاور کے عقیدت مندوں میں داخل ہو چکا ہوں۔"

"بہت اچھے....وہ کس طرح۔"

"آپ کی واپسی کے بعد میں نے آپ کو بُرا بھلا کہا تھا۔"

"یہ نہ سمجھو کہ وہ اس سے مطمئن ہو گیا ہوگا۔ لیکن وہ تمہارے لئے خطرناک نہیں ہو سکتا۔ بظاہر کسی کے لئے بھی نہیں۔ تمہیں وہ صرف ایک مہرہ سمجھتا ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم اس

کے حلقہ بگوش میں زبردستی گھسے رہو۔''

''یہی اسکیم ہے میری....لیکن وہ دو ہزار....!''

''عیش کرو....میری طرف سے اجازت ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن بلیک میلنگ کی رقم۔ ضمیر گوارہ نہیں کرتا اور آپ یقین کیجئے کہ میں نے آج تک انسپکٹر آصف کے علاوہ اور کسی کو بھی بلیک میل نہیں کیا۔ وہ بھی ضرورتاً۔ جب اس کے دماغ میں میرے خلاف کیڑے کلبلاتے ہیں تو انہیں خاموش کرنا ہی پڑتا ہے۔''

''تمہاری مرضی۔''

''لیکن میں آج کل بے حد مفلسی کی زندگی گزار رہا ہوں۔''

''شام تک تمہیں ایک ہزار کا چیک مل جائے گا۔ اوہ ٹھہرو....نہیں خیر....اس وقت نہیں چیک کے ساتھ ہی تمہیں ہدایات بھی مل جائیں گی۔ بس اب جاؤ۔ آج کل بے حد مشغول ہوں۔''

انور بھی اٹھ گیا۔

''بس ایک بات اور....'' وہ پھر بول پڑا۔

''اوں ہونہہ....بولو بھئی۔ تم تو کان کھا جاتے ہو۔'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''کام ہی بات ہے۔ بتا دیجئے۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔''

''معلومات حاصل کرنے کے ماہر ہو نا کوشش کر ڈالو۔''

''نہیں میرے بس سے باہر ہے۔'' انور جلدی سے بولا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ خبر کیسی تھی جو آپ نے میرے کالم کے لئے عطا فرمائی تھی۔ خود اس خبر کی تصدیق ہی کرنے سے ابھی تک قاصر رہا ہوں۔ پرمود ہاؤز کے آس پاس پائے جانے والے خارش زدہ کتوں تک سے پوچھ گچھ کر ڈالی ہے لیکن....!''

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''جاؤ.... جاؤ.... پھر بتاؤں گا۔ لیکن ٹھہرو....اب ایک راز کی بات بتا ہی دوں۔ میں پچھلی رات خود کو ہرگز ظاہر نہ کرتا....لیکن جانتے ہو اس کا کیا نتیجہ ہوتا؟ تمہاری دھجیاں اڑ جاتیں.... بے حد خطرناک لوگ ہیں۔ تمہارا منہ

بند کرنے کے لئے بالآخر بے خبری میں پشت پر خنجر مارتے۔ یہ معاملہ ایسا ہی اہم تھا۔ اب تم محفوظ ہو۔ انہیں یقین ہو گیا ہو گا کہ میں نے تمہیں اصل بات ہرگز نہ بتائی ہو گی۔"

انور نے طویل سانس لی اور کھوپڑی سہلاتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔

فلیٹ تک پہنچنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔ لیکن یہاں دوسری الجھن موجود تھی۔ رشیدہ.... انور کو اس کے سامنے اسٹار کا فائیل نظر آیا۔ تقریباً پچھلے تین ماہ کے شمارے ڈھیر رہے ہوں گے۔

وہ اُسی کے فلیٹ میں تھی۔ انور نے چاہا کہ اُسے نظر انداز کرتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا جائے۔ لیکن رشیدہ بڑی پھرتی سے اٹھی اور دروازے میں حائل ہو گئی۔

"بدحواسی اچھی نہیں۔" انور نے آنکھیں دکھائیں۔

"اس سے کام نہیں چلے گا۔" رشیدہ نے اُسے سامنے والی کرسی میں دھکیل دیا۔

انور بیٹھ تو گیا لیکن ایسے انداز میں اُسے گھورتا رہا جیسے دوسرا مرحلہ تھپڑ ہی تو ہو گا۔ وہ بھی اتنا زوردار کہ رشیدہ کے گالوں پر پانچوں انگلیاں بن جائیں گی۔

"مجھے ابھی تک ایک ایسی خبر کے علاوہ اور کچھ نہیں مل سکا جس میں پرمود ہاؤز کا تذکرہ نظر آیا ہو۔ خبر چونکا دینے والی ہے لیکن اہم نہیں۔"

"ہوں.... پڑھنا تو ذرا۔" یک بیک نہ جانے کیوں انور نرم پڑ گیا۔

رشیدہ نے وہ شمارہ کھینچا جس سے اُسے خبر پڑھنی تھی۔

"دارالحکومت ۱۳ نومبر.... پچھلی رات مشہور عمارت پرمود ہاؤز کے قریب ایک ایسا دلچسپ واقعہ پیش آیا جس کی مثال شاید جرائم کی پوری تاریخ میں نہ مل سکے۔ ہوا یہ کہ ایک سوتیلی بہن نے کسی بات پر خفا ہو کر اپنے جوان بھائی کے دونوں کان اکھاڑ لئے۔ آس پاس کے علاقے میں سنسنی پھیل گئی۔ پولیس مفرور بہن کی تلاش میں ہے۔ اسٹاف رپورٹر۔"

رشیدہ خاموش ہو گئی اور انور بھی خاموشی سے سگریٹ پیتا رہا۔

"یہ کیا بکواس تھی۔" اس نے کچھ دیر بعد انور کو گھورتے ہوئے کہا۔ "پرمود ہاؤز کے آس

پاس کبھی اس قسم کا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا.... میں نے ابھی فون پر اس علاقے کے تھانے کے انچارج سے گفتگو کی تھی۔''

''تم پاگل ہو جاؤ گی۔'' انور نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں بہت پریشان ہوں اس لئے نہیں کہ تم پاگل ہو جاؤ گی بلکہ اس لئے کہ اب کوئی صورت نہیں رہی کامیابی کی۔''

''کیا بکواس کررہے ہو۔''

''وحیدہ بانو۔'' انور نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''نہیں لاحول ولا قوۃ کیا بک رہا ہوں۔ بھلا تمہیں حال دل سنانے سے فائدہ۔ ہوں.... کیا تم پرنسز تارا سے دوستی کرسکو گی۔''

''میں کسی پرنسز تارا سے واقف نہیں ہوں۔''

''رانا پرمود کی بھتیجی.... پرمود ہاؤز میں رہتی ہے۔''

''اچھا.... وہ یوریشین لڑکی.... مگر....'' رشیدہ خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگی۔

پھر جھلا کر بولی۔ ''اب میں سمجھ گئی۔ یہ چکر ہے۔ اس لڑکی کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ ہاں وہ بہت خوبصورت ہے۔''

''اس کی ماں اس سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔''

''میں چانٹا مار دوں گی۔'' رشیدہ غرائی۔ ''یاد رکھو اگر تم کبھی اس کے ساتھ دکھائی دیئے تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔''

''اس کے ساتھ نہ دکھائی دوں تب بھی تم سے بُرا کوئی اور آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔'' انور نے کہا اور ایش ٹرے میں سگریٹ کا جلتا ہوا سرا رگڑنے لگا۔

پھر یک بیک اس نے رشیدہ کے بال مٹھیوں میں جکڑ لئے۔

''گرفت سخت ہوتی جائے گی۔'' وہ دانت پر دانت جما کر بولا۔ ''اتنی کہ تمہاری کھوپڑی انڈے کا چھلکا بن جائے۔''

گرفت سچ مچ سخت ہوگئی تھی لیکن رشیدہ نے تکلیف کی پرواہ کئے بغیر دو تین مکے اُس کے پیٹ پر رسید کر دیئے۔

دفعتاً باہر سے کسی نے گھنٹی بجائی....انور اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور رشیدہ بُرا سامنہ بنائے ہوئے اپنے بال درست کرنے لگی۔

گھنٹی پھر بجی اور انور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

شام خوشگوار تھی اور سارجنٹ حمید معمول سے کچھ زیادہ ہی بشاش تھا۔ بشاشت کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ کسی معجزے ہی کے تحت فریدی اس کے ذہن میں جھانکنے میں کامیاب ہوگیا۔ یعنی غیر متوقع طور پر پرنسز تارا کی نگرانی بھی اسی کے سپرد کردی گئی تھی۔ پہلے تو حمید کو اپنے کانوں پر یقین ہی نہ آیا تھا کیونکہ راناپرمود کی کہانی سے وہ قطعی طور پر ناواقف تھا۔ لیکن اُسے حیرت ضرور ہوئی تھی کہ آخر ڈاکٹر ڈف کا تارا سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ اس نے معلوم کرنا چاہا تھا لیکن فریدی سے کسی صحیح جواب کی توقع ہی فضول تھی۔ بہرحال وہ بڑے اچھے موڈ میں تھا۔ اچھے موڈ میں تھا اس لئے شام ہوتے ہی ''ہائی سرکل'' کی کیوں نہ سوجھتی۔

لیکن گنبد نما مینار پر نظر پڑتے ہی روح فنا ہوگئی۔ وہ اس کے متعلق سب کچھ بھول چکا تھا۔ پچھلی شام کی بات دوسری تھی۔ اس وقت تو وہ دن بھر کی کوفت دور کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اب اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ بدھو پہاڑ سا جسم رکھنے کے باوجود بھی کسی جونک ہی کا بھائی بند ہوسکتا ہے۔ لپٹ جائے تو پیچھا چھڑانا محال۔

''اَخاہ....'' وہ بھی حمید کو دیکھتے ہی ماحول سے بے پرواہ ہوکر دھاڑا اور بہتیرے لوگ چونک کر اُسے گھورنے لگے۔ لیکن وہ احمقانہ انداز میں مسکرا مسکرا کر ہاتھ ہلاتا ہی رہا۔

حمید کو اس بے ہودگی پر بڑا تاؤ آیا۔ مگر پھر عافیت اسی میں نظر آئی کہ اسی کی میز کا رخ کرے۔ کیا ٹھیک۔ احمق تو احمق۔ اب کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے کہ خود حمید ہی کا رکھ رکھاؤ خاک

میں مل جائے۔

''آؤ....آؤ....مری جان پیارے بھائی۔'' وہ پرمسرت لہجے میں بولا۔ ''باٹھو.... باٹھو.... اَمے قل کہاں گائب ہوغئے تھے۔''

''ذرا والد صاحب مل گئے تھے۔'' حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

''ہائے....!'' قاسم کراہا۔ ''تمہارے بھی والد صاحب ہوتا ہے۔''

''کیوں....کیا تمہارے نہیں تھا۔'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''میرے تو بہت جیادہ ہے۔'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''کھیر چھوڑو..اور کوئی بات قرو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''قیا نہیں سمجھے۔''

''زیادہ والی بات۔''

''نہ سمجھو....یہی اچھا ہے۔'' قاسم نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ ''خدا کسی رنڈی کو بھی باپ نہ دے۔''

''ہائیں.... ہائیں۔ کیا تم نشے میں ہو۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''اس وقت تمہاری آدھی بات بھی میری سمجھ میں نہیں آرہی۔''

''امے ہٹاؤ۔'' قاسم یک بیک جھلا گیا۔ ''میں قہتا ہوں.... یہ سالا باپ واپ کہاں سے نکل آیا۔ ہاں نہیں تو..... نہ گھر چین نہ باہر چین...... ٹھینگے پر ہو تم اور تمہارے والد صاحب دونوں ہاں۔''

''ارے....ارے۔''

''قچھ نہیں۔'' قاسم ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''اور قوئی بات کرو۔''

''تمہاری پیدائش کیسے ہوئی ہوگی۔''

''ارے واہ۔'' قاسم ہنس پڑا۔ ''میری کھلائی بتاتی ہے کہ میں ٹیاؤں ٹیاؤں روتا تھا۔ ہی ہی ہی ہی....امے اب سوچ کر شرم آتی ہے۔''

''ضرور آتی ہوگی۔ رم پیو گے۔'' حمید نے کہا۔

''ارے باپ رے۔نہیں بابا۔ میرے پھر شتے بھی شراب نہیں پی سکتے۔ لاحول بلا کوت۔''

مگر حمید سوچ رہا تھا کہ ہونی چاہئے۔ نشے میں یہ اور زیادہ دلچسپ ہو جائے گا۔

دفعتاً اس کی نظر تارا پر پڑی اور اس کا سارا جسم جھنجھنا کر رہ گیا۔

بڑی عجیب لڑکی تھی۔ اس دور میں جب کہ کالے صاحب لوگ گھاس پھوس کی طرح اُگا کرتے تھے کسی اینگلو انڈین لڑکی کا ہندوستانی بننے کی کوشش کرنا خواب ہی معلوم ہوتا تھا لیکن تارا تو پھر چلتی پھرتی حقیقت تھی۔ اس وقت بھی وہ چوڑی دار پاجامے اور لمبے فراک میں تھی۔ حمید نے اُسے کبھی اسکرٹ میں نہیں دیکھا تھا۔ کبھی غرارے میں نظر آتی کبھی شلوار میں اور کبھی چوڑی دار پاجامے میں۔ ساڑھی میں ابھی تک نہیں دکھائی دی تھی۔''

''ارے باپ رے۔'' قاسم ہانپنے لگا۔

''یہی ہے۔'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

''ہائے.... اللہ.... اے قیسی لگتی ہے.... ہی ہی ہی.... ابے انگریز لونڈیاں بھی پاجامہ پہننے لگیں.... لاحول بلا کوت۔''

''پسند نہیں آئی....!''

''بلقل نہیں.... پاجامے سے گھن آتی ہے۔ اور پھر چوڑی دار.... اُوع....!'' قاسم کو سچ مچ اوبکائی آ گئی۔

''ہوش میں ہو یا نہیں۔''

''ارے واہ۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ''پھلم ڈائریکٹر نہ ہوئے تھانے دار ہو گئے۔ اے دیکھو آئندہ مجھ سے ایسے لہجے میں بات نہ کرنا۔''

''اوہ.... دیکھو! وہ کہیں اور جا رہی ہے۔'' حمید نے قاسم کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''گاڑی رولس ہی لائے ہونا۔''

''ہاں.... ہاں.... ارے باپ رے.... اس کے ساتھ یہ دوسری کون ہے۔ ارے باپ

رے جارجٹ کی ساری.... یہ ٹھیک ہے چلو چلو۔''

وہ دونوں بھی باہر نکلے اور اس کی ساتھی لڑکی ایک کار میں بیٹھ چکی تھیں۔ وہ دونوں پارکنگ شیڈ میں آئے۔ حمید نے اسٹیئرنگ خود ہی سنبھالا.... تعاقب شروع ہوگیا۔

دونوں غالباً نیاگرہ ہوٹل کی طرف جارہی تھیں جو شہر سے باہر ایک پرفضا مقام پر واقع تھا۔

''ساری والی جورو۔ ارے بھائی صاحب۔ قیا کھیال ہے۔'' قاسم ''ہی ہی'' کرتا ہوا بولا۔

''خاموش رہو۔ اس وقت میں آرٹ کی دنیا میں کھویا ہوا ہوں۔'' حمید نے کہا اور پھر بڑی تیزی سے بریک لگانے پڑے.... ورنہ وہ لڑکیوں کی کار سے ٹکرا ہی گئی ہوتی۔ ان کی گاڑی بھی اچانک ہی رکی تھی۔

لڑکیوں کی چیخیں سنائی دیں۔ اگلی سیٹ کا دروازہ کھلا اور وہ لدالد سرک پر آ گریں۔

''سانپ.... سانپ....!'' وہ چیخ رہی تھیں۔ حمید نے گاڑی سے چھلانگ لگائی اور آن کی آن میں ان تک جا پہنچا۔

''سانپ سانپ.... بچایئے۔'' دونوں بیک وقت چیخیں۔ ان کی گاڑی میں روشنی تھی۔ حمید نے دیکھا کہ ایک کوبرا پچھلی نشست سے اگلی نشست پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔

کاٹنے والا

ہنری نے جیسے ہی ڈاکٹر ڈف کی نیم تاریک کمپاؤنڈ میں قدم رکھا کسی نے پشت سے اس پر چھلانگ لگائی۔ وہ کسی قدر نشے میں بھی تھا اس لئے بےخبری اور زیادہ خطرناک ثابت ہوئی۔ یعنی وہ لڑکھڑایا اور ڈھیر ہوگیا۔ پھر حملہ آور بھی اس پر تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں عقل اور چندھیا گئی جب حملہ آور نے آہستہ سے کہا۔''ارے سنبھلو سنبھلو۔''

پھر حملہ آور ہی نے اُسے کھینچ کھانچ کر اٹھایا اور ہنری کی جان میں جان آئی۔ کیونکہ اب

اس نے حملہ آور کو پہچان لیا تھا۔ یہ ریگی تھی۔

"اُف فوہ....!" ہنری نے ٹھنڈی سانس لی۔ "پہلے سے بتا دیا ہوتا تو میں خود ہی گر کر مر بھی گیا ہوتا۔ تم نے کیوں تکلیف اٹھائی۔"

"تم مجھے بھی بھولتے جا رہے ہو۔ میں تمہیں مار ڈالوں گی۔" ریگی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اب تم نے ڈیڈی سے دوستی کر لی ہے۔ میری پرواہ نہیں کرتے۔"

"کاش تم سمجھ سکتیں ریگی ڈارلنگ۔ ڈیڈی کی شکل میں بھی مجھے تمہاری ہی جھلکیاں ملتی ہیں۔"

"بکواس مت کرو۔ تم مجھے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہو۔"

"اُوہ خدا کے لئے خاموش رہو۔ میں بہت اداس ہوں۔ اس وقت مجھے وہ مظلوم چچا یاد آ رہا ہے جسے....!"

"میں اس چچا کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتی اگر تم مجھ سے اسی طرح بے توجہی برتتے رہے تو ایک دن تمہارے کسی بھتیجے کو بھی اسی طرح اداس ہونا پڑے....!"

"خدا کی پناہ...تو تم میری ٹانگیں توڑ دو گی۔" ہنری بوکھلا کر بولا۔

"بس مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی۔ اب تم ڈیڈی کے پاس جا کر جھک مارو۔"

"مگر تم اس وقت یہاں کیا کر رہی تھیں۔"

"تمہاری ہی تاک میں تھی۔"

"غلط.... میں تسلیم نہیں کر سکتا۔ تم کیا جانو کہ میں اس وقت آؤں گا۔"

ریگی کچھ نہ بولی۔ ہنری نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"میں اس آدمی کی تاک میں بیٹھی تھی جو آدمیوں کو کاٹنے دوڑتا ہے۔" ریگی نے کچھ دیر بعد کہا۔

ہائیں تو کیا اب ڈاکٹر نے گوریلا کی بجائے کوئی ایسا آدمی پال لیا ہے۔" ہنری حیرت سے بولا۔

"نہیں.... وہ اکثر ہمارے ہاں آتا رہتا ہے۔ لیکن یہ بات تو مجھے آج ہی معلوم ہوئی ہے

دوپہر کو ڈیڈی....!''

''ٹھہرو....!'' ہنری اس کا بازو پکڑ کر ایک طرف کھینچتا ہوا بولا۔ ''یہاں نہیں۔''

کچھ دور چل کر ہنری رک گیا۔ یہ کمپاؤنڈ کا ایک بالکل ہی ویران گوشہ تھا۔ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ ادھر بھی کوئی آئے گا۔

''ہاں اب بتاؤ۔'' ہنری بولا۔

''جہنم میں جھونکو.... ہم کتنے دنوں بعد مل رہے ہیں۔'' ریگی نے ٹھنڈی سانس لی۔

''کسے جہنم میں جھونک رہی ہو۔'' ہنری نے جیب سے ایک چپٹی سی شیشی نکالتے ہوئے کہا۔ پھر ڈھکن اتار کر شیشی کا منہ ریگی کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

''نہیں....!'' ریگی پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔ ''مجھ سے نہیں چلتی یہ رائی کی خالص وہسکی تم ہی اپنا حلق چھیلا کرو۔''

''او کے....'' ہنری نے شیشی سے دو گھونٹ لیے اور ڈھکن چڑھا کر اُسے جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ ''یہ رات کتنی سہانی ہے۔ مگر چاند نہ نکلے تو اچھا ہے۔''

''اوہ ختم کرو.... میں تمہیں اس آدمی کے متعلق بتانا چاہتی ہوں۔ ہنری ڈیئر میں بہت پریشان ہوں۔''

''چلو وہی بتاؤ۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ تم بولتی رہو۔ میں سنتا رہوں.... اُف فوہ کتنی پیاری اور سریلی ہے تمہاری آواز۔''

''آج پاپا کو کہیں جانا تھا۔ ان کے جانے کے بعد میں نے گھر کو مقفل کیا اور خود بھی باہر چلی گئی تھی۔ نوکروں کو میں نے ملا رکھا ہے۔ وہ پاپا کو میری غیر حاضری کے متعلق بتاتے نہیں۔ آج میں خلاف معمول جلد ہی واپس آ گئی۔ قفل کھول کر اندر پہنچی۔ تم نے دیکھا کہ ہمارے بنگلے کے اندر بھی بہت بڑا صحن ہے۔ راہداری میں قدم رکھتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اندرونی صحن میں کسی قسم کی بھاگ دوڑ ہو رہی ہو.... پھر ڈیڈی کی آواز سنی جو کہہ رہے تھے۔ ''ہٹو پیچھے ہٹو.... ورنہ گولی مار دوں گا۔ تم مجھے نہیں کاٹ سکو گے۔'' پھر ایک فائر ہوا۔ میں صحن کی طرف بھاگی۔

عجیب منظر دیکھا۔ ایک آدمی بھاڑ سا منہ کھولے ڈیڈی کے پیچھے دوڑتا پھر رہا تھا۔ ڈیڈی کے ہاتھ میں پستول تھا لیکن وہ پھر بھی خوفزدہ معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے پھر فائر کیا لیکن دوسرا آدمی ہنستا رہا۔ اس نے بڑی پھرتی سے خود کو گولی سے بچایا تھا۔ میں چیخنے لگی۔ دوسرا آدمی اچھل کر بھاگا اور زینوں والے کمرے میں جا گھسا۔ ڈیڈی اس کے پیچھے دوڑنے کی بجائے زمین پر بیٹھ کر ہانپنے لگے تھے۔''

''اس آدمی کو تم نے اکثر یہاں دیکھا ہے۔''

''ہاں کئی بار پہلے بھی وہ ڈیڈی کے پاس آ چکا ہے۔''

''تو تمہیں یقین تھا کہ وہ اس وقت بھی آئے گا۔''

''نہیں.... اب میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہی ہوں۔ وہ تو محض مذاق تھا۔ میں وہاں یونہی کھڑی تھی کہ تم نظر آئے میں نے کہا کہ تمہیں ڈرایا جائے۔''

''پھر یہ کٹکھنے آدمی کی کہانی بھی مذاق ہی ہوگی۔''

''خدا کی قسم..... یہ سو فیصدی سچ ہے۔ ڈیڈی نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ گھر میں کیسے داخل ہوئے تھے جبکہ باہر کا قفل بھی مجھے کھلا ہوا نہیں ملا تھا۔''

''کمال ہے بھئی۔ آخر وہ داخل کس طرح ہوئے ہوں گے۔'' ہنری کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔

''میں بڑی الجھن میں ہوں ڈارلنگ۔'' ریگی نے کہا۔ ''آج کل یہاں حیرت انگیز باتیں دیکھنے میں آ رہی ہیں۔ فینٹم اس طرح تمہارے ہی ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے مرنے کا دکھ مجھے بھی ہے۔ سچ کہتی ہوں وہ کسی معصوم بچے کی طرح بے ضرر تھا۔ اچانک اس طرح پاگل ہوگیا۔ اسی دن کسی چور کو ڈیڈی نے چھت سے اترتے دیکھا تھا اور پھر اسی چور نے ان کے خلاف رپورٹ بھی درج کرائی تھی اور پھر آج یہ کٹکھنا آدمی جس سے ڈیڈی خائف معلوم ہوتے تھے۔''

''واقعی بڑی عجیب باتیں ہیں۔ مگر سنو تو سہی۔ ڈاکٹر نے کچھ بھی نہیں بتایا۔''

''کچھ بھی نہیں۔ زیادہ اصرار کرتی ہوں تو جھڑک دیتے ہیں۔ مگر وہ خوفزدہ بھی ہیں اور

پریشان بھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ آخر وہ بنگلے میں کس طرح داخل ہوئے ہوں گے جبکہ قفل بھی مجھے کھلا ہوا نہیں ملا تھا۔''

''چلو.... میں پوچھوں گا....!''

''میں تم سے یہی کہنا چاہتی تھی کہ بنگلے سے مجھے وحشت ہونے لگی ہے۔'' ریگی بولی۔

وہ دونوں برآمدے میں آئے۔ ہنری ٹھٹھکا ہی تھا کہ ریگی نے ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ ''چلو نا .... تکلفات کی ضرورت نہیں۔ ڈیڈی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ وہ تمہاری عدم موجودگی میں بھی تمہاری تعریفیں کرتے ہیں۔''

وہ اندر پہنچے اور ریگی نے کہا۔ ''ٹھہرو.... میں ڈیڈی کو تمہاری آمد کی اطلاع دے دوں۔''

وہ اُسے ڈرائنگ میں چھوڑ کر چلی گئی۔ ہنری نے بوتل پھر جیب سے نکالی۔

دو تین گھونٹ لے کر رومال ہونٹوں پر پھیرا اور شیشی جیب میں رکھ کر سگریٹ سلگانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ریگی کی چیخ سنائی دی۔ پھر پے در پے چیخیں۔ وہ سگریٹ لائیٹر وہیں پھینک کر بھاگا۔ آوازیں ڈاکٹر کی تجربہ گاہ سے آئی تھیں۔ ہنری کا اندازہ درست نکلا۔

ڈاکٹر فرش پر چت پڑا ہوا نظر آیا اور ریگی دیوار سے لگی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے کھڑی تھی۔

ہنری تیزی سے ڈاکٹر پر جھکا۔

وہ دم توڑ چکا تھا۔ پتہ نہیں کب مرا ہو.... لیکن جسم میں ابھی گرمی باقی تھی۔ ہنری ریگی کی طرف مڑا.... اور.... وہ دھاڑیں مار مار کر روتی ہوئی اس پر آ گری۔

''اوہ.... دیکھو.... ٹھہرو.... صبر کرو۔ مجھے بتاؤ۔ جب تم باہر گئی تھیں تو....''

''وہ زندہ تھے۔ میں نے کچھ دیر پہلے یہاں ان کیلئے چائے پہنچائی تھی۔'' ریگی نے جلدی سے اپنی دہاڑوں پر قابو پالیا۔ لیکن آنسو اب بھی جاری تھے اور سسکیاں بھی لے رہی تھی۔

''فون کہاں ہے؟'' اس نے مڑ کر ریگی سے پوچھا۔ وہ بازوؤں میں منہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی۔

''لائبریری میں۔'' اس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔

ہنری تیزی سے باہر آیا اور لائبریری کی طرف دوڑنے لگا۔ وہ جلد از جلد اس حادثہ کی اطلاع فریدی کو دینا چاہتا تھا۔

فون کا ریسیور اٹھا ہی تھا کہ ریگی کی چیخیں پھر سنائی دیں۔

''بچاؤ.... بچاؤ.... ہنری دوڑو۔''

ہنری ریسیور رکھ کر بھاگا۔ وہ برابر چیخے جارہی تھی۔۔ اس بار تجربہ گاہ والی راہداری تاریک ملی.... اور شاید تجربہ گاہ میں بھی اندھیرا تھا۔ ورنہ کھلے ہوئے دروازے سے راہداری میں روشنی ضرور آتی۔ راہداری میں قدم رکھتے ہی کوئی اس سے ٹکرایا اور ہنری کی کھوپڑی دیوار سے لڑ گئی.... ریگی اب بھی چیخ رہی تھی۔ ہنری کا سر بڑی شدت سے چکرایا تھا لیکن پھر بھی اس نے اٹھنے میں پھرتی ہی دکھائی اور اس سائے کی طرف جھپٹا جو اس سے ٹکرانے کے بعد تیزی سے صحن کی جانب دوڑا گیا تھا۔ ایک منٹ اس کی تلاش میں ضائع ہوگیا۔ ریگی اب بھی اُسے آوازیں دیئے جارہی تھی۔ ٹکرانے والا نہ ملا.... اس نے شائد ربرسول کے جوتے پہن رکھے تھے۔ اسی لئے دوڑتے قدموں کی آوازیں بھی نہیں سنائی دی تھیں۔

ہنری پھر تجربہ گاہ کی جانب دوڑ گیا۔ ریگی نے وہاں کا بلب روشن کرلیا تھا اور داہنے ہاتھ سے بایاں بازو دبائے ایک میز پر جھکی کھڑی تھی۔

''کیا ہوا...... کیا ہوا۔'' ہنری اُسے جھنجھوڑ کر بولا۔

''مم.... مجھے بھی کاٹ لیا۔'' ریگی کراہی۔ ''میرا سر چکرا رہا ہے۔ سہارا دو۔''

اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ہنری نے اُسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

اس کے بائیں بازو پر ایک سرخ سا نشان دکھائی دیا۔ یقیناً یہ انسانی دانت ہی تھے جو گوشت میں پیوست ہوکر اپنا سرخ سا نشان چھوڑ گئے تھے۔

''کہاں تھا۔'' ہنری نے بوکھلا کر پوچھا۔

''یہیں....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''اس الماری کے پیچھے.... اب اپنی شیشی نکالو....

پپ.... پتہ نہیں کیسی حالت ہے میری۔''

''کون تھا.... مجھے بتاؤ۔ شاید وہ کوئی جنسی جنونی تھا۔'' ہنری نے جیب سے شیشی نکالتے ہوئے کہا۔

ریگی نے دو تین گھونٹ لئے اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔ اس کی آدھ کھلی آنکھوں سے تکلیف کا اظہار ہو رہا تھا۔

''میں اس کا نام نہیں جانتی لیکن وہ کچھ عجیب سا لگتا تھا۔ اوہ....اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی بائیں پسلی دبائی اور پھر اس طرح حلق پھاڑ کر چیخی جیسے کوشش کے باوجود بھی اس چیخ کو نہ روسکی ہو....آدھ کھلی آنکھیں حیرت انگیز طور پر پھیلتی جارہی تھیں۔

''ریگی ریگی۔'' ہنری نے اُسے جھنجھوڑا لیکن آنکھیں پھیلتی ہی گئیں اور پھر یک بیک اس کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ بائیں جانب جا پڑی۔ آنکھیں اب بھی پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن سانسیں شاید ہمیشہ کے لئے رک چکی تھیں۔

قاسم بھی جھپٹتا ہوا قریب پہنچا۔ وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

دفعتاً قاسم چیخا۔ ''ارے ہائیں.... ہائیں.... ہاتھ میں پتھر دو غے۔''

''نہیں نہیں....!'' لڑکیوں کی زبان سے بیساختہ نکلا۔

''پھر بھلا بتائیے یہ نامعقول مرے گا کیسے۔'' حمید نے مڑ کر بڑے اطمینان سے کہا۔

''کسی اور چیز سے ماریئے۔'' تارا نے کہا۔

''میرے پاس فی الحال ریوالور کے علاوہ اور کچھ نہیں۔'' حمید بولا۔ ''لیکن خدشہ ہے کہ وہ آپ کی گاڑی تباہ کردے گا۔''

''دروازہ کھول دیجئے نیچے چلا آئے گا۔'' دوسری لڑکی بولی۔

''اور قیا....!'' قاسم نے سر ہلا کر کہا۔

''اگر اس نے پھر آپ کی جانب رخ کیا اور میں زیادہ پھرتی بھی نہ دکھا سکا....!''

لڑکیاں خاموش رہیں۔ لیکن قاسم مضطربانہ انداز میں بولا ''ہٹو اُدھر میں دعا پڑھ کر اندھا کر دوں غا سالے کو۔''

وہ کھڑکی کے پاس جا کر کچھ بدبدانے لگا۔ پھر گال پھلا کر گاڑی کے اندر پھونک ماری اور ٹھیک اسی وقت سانپ بھی پھپھکارا۔

''ارے باپ رے....'' قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''امے یہ سالا بھی پھونکتا ہے.... نہیں اندھا ہو گا شاید۔''

لڑکیاں ہنس پڑی تھیں اور انہوں نے قاسم کو مضحکانہ انداز میں دیکھا تھا۔

سانپ اب پھر پچھلی سیٹ پر آ گیا تھا اور کھڑکی سے گزر جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کھڑکی میں شیشہ نہیں تھا۔

حمید نے جیب سے ریوالور نکالا۔ جیسے ہی سانپ کا سر کھڑکی پر آیا اس نے ریوالور کے دستے سے اس پر ضرب لگائی۔

''ارے....ارے....دیکھئے سنبھل کر۔'' تارا مضطربانہ انداز میں بولی۔

لیکن ضرب اپنا کام کر چکی تھی۔ سانپ پچھلی سیٹ پر پڑا قلابازیاں کھا رہا تھا۔

اب حمید نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا۔ لیکن دوسری لڑکی پیچھے کھڑی رولس رائیس گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔ سانپ اسی طرح تڑپتا ہوا سڑک پر آ گرا۔

اس بار میاں قاسم نے بھی ''دلیر جنگ'' بننے کی کوشش کی۔ یعنی سانپ کے سر پر پیر رکھ دیا اور پھر لگے چنگھارنے... کیونکہ سانپ نے بڑی تیزی سے اپنا جسم انکی پنڈلی کے گرد جکڑ لیا تھا۔

''ارے باپ رے....ابے....پیر ٹوٹا....ابے سالے۔''

''دباؤ....زور سے دباؤ۔'' حمید بوکھلا کر چیخا۔ ''اس کا سر پیر کے نیچے سے نہ نکلنے پائے۔

خبردار.... ٹھہر.... دباؤ.... دباؤ۔"

سانپ کے بل ڈھیلے پڑنے لگے اور پھر وہ نیچے آ گرا.... دوسری طرف قاسم بھی بھد سے بیٹھ گیا۔

"ارے بڑی جلن ہو رہی ہے.... ارے باپ رے۔" وہ پنڈلی مسلتا ہوا بولا۔

"دیکھو کہیں کھال نہ پھٹ گئی ہو۔"

سچ مچ کئی جگہ سے خون رس رہا تھا۔ لڑکیوں نے افسوس ظاہر کیا۔ لیکن قاسم کی حماقت انگیز باتوں پر ہنسی روکنا بھی تو محال تھا۔ تارا جو بہت سنجیدہ مشہور تھی وہ بھی ہنس پڑی تھی۔

"میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں جناب۔" اس نے حمید سے کہا۔

"میں نے ہاتھی تو نہیں مارا تھا۔ لیکن اس بات پر ضرور تشویش ہے کہ آخر گاڑی میں کوبرا کہاں سے آیا۔"

"میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی۔"

"غالباً یہ کسی مقصد کے تحت گاڑی میں ڈالا گیا تھا۔"

"خدا جانے۔" تارا بولی۔ "اچھا بہت بہت شکریہ۔"

اس نے دوسری لڑکی کو گاڑی کی طرف دھکیلا۔ وہ اندر بیٹھ گئیں اور گاڑی پھر چل پڑی۔

"ابے.... واہ یہ تو چلی گئیں۔" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اچھا تو.... تم کیا سمجھے تھے۔"

"کچھ بھی نہیں.... مگر ایسا بھی کیا.... واہ....!"

"پنڈلی کی خبر لو برخوردار....!"

"ٹھینگے سے.... ہاں شاید کھون نقل رہا تھا۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔ "جرا تم اپنا رومال دینا کھراب ہو جائے گا۔"

"بڑے حسین ہو۔ میں اپنا رومال برباد کروں۔" حمید بولا۔ "اٹھو۔ اب نیاگرہ چلیں گے۔ وہ دونوں وہیں گئی ہوں گی۔"

''جرور میری جان پیارے بھائی۔'' قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ ''یار تم واکئی بڑے قابل ہو۔''

''میری قابلیت کسی دن تمہیں بہت بڑے مرتبے پر فائز کر کے رکھ دے گی۔ بس دیکھتے جاؤ۔''

''وہ پھر گاڑی میں آ بیٹھے۔''

قاسم بہت مگن تھا۔ اس نے پنڈلی کی بھی پرواہ نہ کی جس سے کئی جگہ خون رس رہا تھا۔ کھال کئی جگہ سے چھچ گئی تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد ایک جگہ پھر تارا کی گاڑی کھڑی نظر آئی۔ لیکن سڑک سے ہٹ کر میدان میں۔

''ابے وہی ہیں۔'' قاسم نے کہا۔

لیکن اس بار گاڑی کے اندر روشنی نہ دکھائی دی۔

حمید نے بھی اپنی گاڑی میدان ہی میں اتار دی اور زور سے بولا۔ ''اب کیا ہوا۔ کیا پھر کوئی کوبرا....!'' گاڑی کی قریب پہنچ کر اس نے بریک لگائے۔

لیکن دوسری گاڑی خالی تھی۔ قاسم اپنی گاڑی سے ٹارچ نکال لایا۔ آس پاس روشنی ڈالی....انہیں آوازیں بھی دیں۔ لیکن سناٹے میں صرف اپنی ہی آوازوں کی بازگشت سنی۔

دفعتاً قاسم نے ایک جانب اشارہ کر کے کہا۔ ''اے وہ اُدھر دیکھو۔''

ٹارچ کا دائرہ جھاڑیوں کے ایک سلسلے پر تھا۔

''دوپٹہ....دوپٹہ ہی ہے۔'' حمید تیزی سے آگے بڑھا۔ جھاڑیوں سے ایک دوپٹہ الجھا ہوا دکھائی دیا تھا جسے اس نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ تارا ہی کا ہوسکتا تھا۔

ٹارچ قاسم کے ہاتھ میں تھی۔ وہ عقب سے حمید کو راستہ دکھاتا رہا۔ پھر دفعتاً ٹارچ بجھ گئی

اور حمید جھنجھلا کر بولا۔

"روشنی کرو.... کیا بیہودگی ہے۔"

لیکن جواب میں اس نے قاسم کی کراہ سنی۔ "ارے باپ رے؟"

اور حمید کا دل چاہا کہ وہ بھی دادا جان مرحوم کے نام کے نعرے لگائے۔ کیونکہ اس کی کھوپڑی بھی کسی کے "دست شفقت" سے محروم نہیں رہی تھی۔

بھرپور وار تھا۔ پھر حمید کو یاد نہیں کہ دوسری ضرب بھی پڑی تھی یا پہلی ہی نے اسے بے ہوش ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

صبح تک فریدی الجھا رہا۔ ڈاکٹر ڈف کے بنگلے پر خود سپرنٹنڈنٹ اسمتھ بھی کچھ دیر ٹھہرا تھا۔

دس بجے فریدی کو پوسٹ مارٹم کی رپورٹیں مل گئیں۔ پوسٹ مارٹم میں غیر معمولی طور پر جلدی کی گئی تھی۔ رپورٹ کے نتائج نے آفیسروں کو چکرا دیا تھا۔

ڈاکٹر ڈف اور اس کی لڑکی کی اموات جسم میں زہر پھیل جانے کی وجہ سے ہوئی تھیں۔ معدے میں زہر کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اس لئے اسے زہر خورانی کا کیس نہیں کہا جا سکتا تھا۔ البتہ دانتوں کے نشانات.... جو لڑکی کے بائیں بازو اور ڈاکٹر کی گردن پر ملے تھے ماہرین کے خیال کے مطابق اموات کا باعث قرار دیئے جا سکتے ہیں کیونکہ ان میں کم از کم ایک نشان ایسا ضرور تھا جس میں زہر کے اثرات پائے گئے ہیں۔

"صرف ایک نشان....؟" فریدی نے ایک ماہر سے پوچھا۔

"جی ہاں.... صرف ایک دانت زہریلا تھا۔ دونوں کی اموات کا باعث صرف وہی ایک دانت بنا ہے۔" ماہر نے جواب دیا اور فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔

گیارہ بجے اسے معلوم ہوا کہ حمید پچھلی رات سے غائب ہے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد محکمے کے سپرنٹنڈنٹ کے آفس میں طلبی ہوگئی۔

کیپٹن اسمتھ کا موڈ بہت خراب معلوم ہوتا تھا آج اس نے فریدی سے بیٹھنے کو بھی نہیں کہا۔ فریدی خاموش کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد کیپٹن اسمتھ نے فائیل بند کر کے رکھتے ہوئے کہا۔

''آدمی کو حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہیے۔ خاور کا کیا قصہ تھا۔''

''وہ ایک نجی معاملہ تھا جناب۔''

''بیٹھ جایئے۔'' اسمتھ نے ہاتھ اٹھا کر غصیلے لہجے میں کہا۔

''شکریہ جناب۔'' فریدی کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

''قانون بہرحال قانون ہے.... خواہ آپ کے معاملات نجی ہوں خواہ غیر نجی.... مجھ سے شکایت کی گئی ہے کہ آپ مسٹر خاور کے مکان میں بغیر اجازت داخل ہوئے تھے۔''

''مجھے افسوس ہے جناب.... لیکن مجھے اس کی سزا وہیں مل گئی تھی۔'' فریدی مسکرایا۔

''کیا مطلب....؟''

''مجھ پر چھت سے ایک سانپ گرا تھا۔''

''نہیں....!'' اسمتھ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''یقین فرمایئے! حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ چھت بالکل سپاٹ، بے داغ یعنی وہاں کوئی رخنہ بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔''

''پھر کیا ہوا....؟'' اسمتھ نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''مجھے اس سانپ کو سزا دینی پڑی۔ وہ زندہ تھا لیکن اپنے جسم کو جنبش نہیں دے سکتا تھا۔''

''وہ کیسے!''

''ہر ہڈی جوڑ سے الگ ہوگئی تھی۔''

اسمتھ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''تمہارا آدمی ڈاکٹر ڈف سے کس سلسلے میں ملا تھا۔''

''ڈاکٹر ڈف نے رپورٹ درج کرائی تھی کہ کچھ نامعلوم آدمی اکثر اس کی عدم موجودگی

میں اس کی کوٹھی میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں اس نے کسی کو پکڑا بھی تھا۔ لیکن وہ اسے زدوکوب کر کے بھاگ گیا۔"

"یہ کوئی خاص وجہ نہیں جس کی بناء پر ہمارے محکمے کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑے۔ اس کے لئے سول پولیس کافی تھی۔"

"ابھی میں نے دوسری وجہ نہیں بیان کی۔ آپ نے مہاراج کمار والا کیس میرے سپرد کیا تھا؟"

"مگر ڈاکٹر ڈف....!"

"مجھے شبہ ہے کہ مہاراج کمار کے مطلوبہ ہاتھ وہیں ہیں۔ لیکن ٹھہریئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اب بھی وہیں ہوں گے۔"

"کس بناء پر شبہ ہوا تھا۔"

"محض اس بناء پر کہ حشرات الارض کی بین الاقوامی نمائش کی تحریک کا روح رواں ڈاکٹر ڈف ہی تھا۔"

"اُف فوہ....!" اسمتھ جھلا کر بولا۔ "آپ قطب جنوبی سے قطب شمالی کی طرف چھلانگ لگاتے ہیں۔ آخر حشرات الارض کی بین الاقوامی نمائش کہاں سے آ کودی۔"

"مہاراج کمار کا خط دوبارہ ملاحظہ فرمایئے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

کیپٹن اسمتھ نے میز کی دراز کا قفل کھول کر ایک فائیل نکالا اور اس کے کچھ اوراق الٹ کر فریدی کی طرف کھسکاتا ہوا بولا۔ "کہاں ہے بین الاقوامی نمائش کا تذکرہ۔"

فریدی نے بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا۔

"مائی ڈیئر کیپٹن اسمتھ

اب پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے۔ بلیک میلر کے سارے خطوط روانہ کررہا ہوں۔ حالات پہلے ہی زبانی بتائے جاچکے ہیں۔ سرخ رنگ کے کاغذ پر بلیک میلر کی آخری وارننگ ہے۔ وہ بھی دیکھو میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ وہ کونسا طریقہ اختیار کرے گا۔ بہر حال اس کا آخری

مطالبہ پورا کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ان واقعات کی پبلسٹی ہو۔ خدارا کوئی تدبیر کرو۔''

فریدی نے خط ختم کر کے فائیل بند کر دیا۔ اسمتھ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے چھوٹتے ہی نااہلی کا طعنہ دے بیٹھے گا۔

''دیکھئے....طریقہ کے متعلق مہاراج کمار بھی الجھن میں ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''مگر بین الاقوامی نمائش کہاں؟''

''دیکھئے جناب حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک میں پورے حالات سے آگاہ نہ ہو جاؤں اس معاملے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر کچھ کروں گا تو لغزشیں یقینی طور پر ہوں گی۔''

''مجھے ڈر ہے کہ ان کی احتیاط کہیں ان ہاتھوں کو رسوا ہی نہ کر دے۔ پھر آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں ان واقعات کی پبلسٹی کا ذریعہ بن جاؤں گا۔ شاید میرے آدمیوں کو ان کا علم نہ ہو سکے۔ آپ نے مجھ سے اتنا ہی کہا تھا کہ کوئی آدمی دو انسانی ہاتھوں کے لئے مہاراج کمار کو بلیک میل کر رہا ہے۔ مجھے بلیک میلر کو ان ہاتھوں سمیت گرفتار کرنا ہے۔''

''پہلے میری بات کا جواب دو۔'' اسمتھ نے جھنجھلا کر کہا۔ ''تم نے حشرات الارض کی بین الاقوامی نمائش کا حوالہ کیوں دیا تھا۔''

''سنئے....!'' فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا کہ بلیک میلر بچاؤ کرتے ہوئے ہاتھوں کی پبلسٹی کر ڈالے۔ حشرات الارض کی نمائش میں ان ہاتھوں کے لئے بھی جگہ نکل سکے گی۔''

''سوچ کر بات کرو۔ نمائش میں ان ہاتھوں کو رکھنے کے بعد وہ اپنا بچاؤ کیسے کر سکے گا۔''

''یہ بھی سن لیجئے! اگر وہ بلیک میلر خود میں ہوتا تو طریقہ سنئے۔ حشرات الارض کی بین الاقوامی نمائش میں ان ہاتھوں کو اس طرح رکھواتا کہ قانون بھی انگشت بدنداں رہ جاتا۔ کرتا یہ کہ پہلے کسی غیر ملکی نمائندہ اسٹال کے کارپرداز سے گٹھ جوڑ کی سوچتا۔ ہاتھ اس کے حوالے کر کے ایک شوکیس میں رکھوا دیتا۔''

''ہاتھ کہیں بھی ہوتے پولیس ضرور معترض ہوتی۔ میں حشرات الارض کی نمائش کی بات کر رہا ہوں۔ کسی ایسی نمائش کی بات نہیں جو میڈیکل اسٹوڈنٹس کی طرف سے منعقد کی گئی ہو۔ وہاں تو انسانی اعضاء کی موجودگی کا جواز ہوسکتا ہے۔'' اسمتھ نے اس انداز میں گردن اکڑائی جیسے یہ جملہ کہہ کر اس نے فریدی کی ٹانگ پکڑ ہی تو لی ہو۔

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور وہ پہلے ہی کے سے لہجے میں کہتا رہا۔ ''میں ان ہاتھوں کو شوکیس میں رکھواتا اور ان کے ساتھ ہی ان کی ہسٹری بھی ہوتی۔ میں لکھتا۔ ''انگلینڈ کے ڈاکٹر گوہن ۱۹۳۲ء میں افریقہ کے جنگلوں سے گزر رہے تھے آپ کے ساتھ کچھ بار بردار بھی تھے۔ دفعتاً ایک بار بردار نے چیخ ماری۔ سر سے صندوق گرادیا اور زمین پر لوٹیں لگانے لگا۔ ڈاکٹر گوہن اس کی بائیں پنڈلی سے ایک عجیب وغریب کیڑا چمٹا ہوا دیکھ رہے تھے۔ جیسے ہی وہ آگے بڑھے کیڑا پنڈلی چھوڑ کر جھاڑیوں میں جا گھسا۔ چونکہ وہ کیڑا اپنی ہیئت کے اعتبار سے بالکل نیا تھا اس لئے ڈاکٹر گوہن دیر تک اسے تلاش کرتے رہے۔ لیکن پھر انہیں وہ کیڑا کبھی نہ دکھائی دیا۔ بار بردار بیہوش ہو چکا تھا۔ وہ اسے اٹھوا کر پھر چل پڑے۔ پہلی بستی جو راہ میں ملی تھی وہاں ایک شفا خانہ بھی موجود تھا۔ مگر بار بردار کی جان بچا لینے کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں کیونکہ وہ تو حیرت انگیز طور پر مر رہا تھا۔ جسم کا گوشت اسی طرح بہہ گیا لیکن دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں انگلیاں سمیت باقی رہیں۔ ان کا گوشت اس طرح پگھل کر نہ بہہ سکا۔ پھر ڈاکٹر گوہن نے یہ دریافت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ آخر ہتھیلیوں کا گوشت کیوں محفوظ رہا تھا لیکن انہیں اس میں کبھی کامیابی نہ ہوسکی۔ ہسٹری کے ساتھ ہی کسی آرٹسٹ سے کوئی ایسی اوٹ پٹانگ تصویر بنوا کر رکھ دوں جو پہلی ہی نظر میں کیڑا تو معلوم ہو لیکن کوئی دعویٰ نہ کر سکے کہ اس نے پہلے کبھی یہ کیڑا دیکھا بھی ہوگا۔ تصویر کے نیچے لکھ دوں کہ یہ تصویر ڈاکٹر گوہن نے اپنی یادداشت کے سہارے ایک آرٹسٹ سے بنوائی ہے۔ اب بتایئے یہ ہاتھوں کی کہانی ہوئی یا کیڑے کی..... حشرات الارض کی نمائش میں ایک ایسے کیڑے کی تصویر بھی موجود ہو جو مہذب دنیا کے کسی آدمی کو صرف ایک ہی بار نظر آیا تھا اور اس کے زہر کے

نتائج کے ثبوت کے طور پر وہ ہاتھ بھی یہاں موجود ہیں۔ قانون اس پر کیسے معترض ہو سکے گا۔ مجھے بتایئے۔"

اسمتھ نے مضطربانہ انداز میں ہتھیلیاں رگڑیں اور بے بسی سے ہنس کر بولا۔"کہیں وہ بلیک میلر آپ خود ہی تو نہیں مسٹر فریدی۔"

"ثبوت جناب۔" فریدی مسکرایا۔"مرنے کے لئے تو میں ہر وقت تیار رہتا ہوں۔"

"مگر دیکھئے تو اس طرح ہاتھ رکھنے سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"آخری دھمکی.... مہاراج کمار کو جتانا کہ دیکھو ہاتھ تو منظر عام پر آ چکے ہیں.... بس اب میرا مطالبہ پورا کر ہی دو.... ورنہ ان ہاتھوں کا راز ظاہر ہو جانے میں دیر نہ لگے گی۔"

"خدا کی قسم ممکن ہے۔" کیپٹن اسمتھ پر جوش انداز میں میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"اب کہئے تو یہ بھی بتادوں کہ وہ ہاتھ کس کے ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ نے مجھے نہیں بتایا۔"

"اچھی بات ہے یہ بھی دیکھیں گے۔"

"مہاراج کمار کے باپ نرسنگھ بہادر کے۔"

"اوہ.... اُوہ....!" اسمتھ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ پھر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑایا۔ فریدی دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسمتھ نے کہا۔"تمہارا اندازہ درست ہے۔ تو پھر تم اس راز سے بھی واقف ہو گے جسے چھپائے رکھنے کے لئے مہاراج کمار یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔"

"اب میں جادوگر تو نہیں ہوں جناب۔"

"لیکن تم اس نتیجے پر کیسے پہنچے کہ وہ اس کے باپ ہی کے ہاتھ ہو سکتے ہیں۔"

"محض یادداشت کے سہارے۔ بات پچیس سال پرانی ہے۔ چھ سال سے زیادہ میری عمر نہ رہی ہوگی۔ نرسنگھ بہادر کی موت انگلینڈ کے ایک خیراتی ہسپتال میں ہوئی تھی اور لاش کے دونوں ہاتھ غائب تھے۔ ہسپتال کی بدنامی ہوتی اگر اس معاملے کو دبا نہ دیا گیا ہوتا۔ سوال نرسنگھ بہادر کا نہیں تھا بلکہ ایک آدمی کی لاش کا تھا۔ نرسنگھ بہادر کی تو اس وقت کوئی اہمیت نہ تھی۔ کیونکہ

وہ اپنی بعض حرکات کی بناء پر معزول کردیئے جانے کے بعد جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے اور انہوں نے مفلسی کے عالم میں دم توڑا تھا۔ عادتیں خراب تھیں اس لئے گزارہ الاؤنس میں پورا نہیں پڑتا تھا۔''

''یہ حقیقت ہے کہ اس واقعہ کا علم یہاں کے مہاراج کمار کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں تھا۔'' اسمتھ نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

''میرے باپ نے نرسنگھ بہادر کی لاش دیکھی تھی۔'' فریدی بولا۔

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ اسمتھ کسی گہری سوچ میں تھا۔ کچھ دیر بعد بولا ''کیوں نہ مہاراج کمار سے تمہاری موجودگی میں گفتگو کی جائے۔ جب تم اتنا جانتے ہو۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔''

''میں یہ تجویز رکھوں گا اُس کے سامنے خیر.... ہاں یہ ڈاکٹر ڈف کا معاملہ۔ اگر حشرات الارض کی بین الاقوامی نمائش کا مقصد یہی تھا تو پھر تمہاری دانست میں بلیک میلر بھی ڈاکٹر ڈف ہی تھا۔''

''جی نہیں! میرا خیال ہے کہ وہ صرف آلہ کار تھا اس لئے مار ڈالا گیا کہ کہیں افشائے راز نہ ہو جائے۔ لیکن موت کی نوعیت الجھن میں مبتلا کر رہی ہے۔''

''زہریلے دانت....!'' اسمتھ بڑبڑایا۔

''زہریلا آدمی کہیئے۔''

''کیوں؟'' اسمتھ چونک کر فریدی کو گھورنے لگا۔ کیونکہ اُسے تفصیل کا علم نہیں تھا تب فریدی نے اُسے ہنری کی رپورٹ سنائی۔

''خدا کی پناہ۔'' اسمتھ فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔ ''یہ آدمی کون ہوسکتا ہے۔''

''فی الحال ایک زہریلا آدمی جس کا صرف ایک ہی دانت زہریلا ہے۔''

پھر سکوت طاری ہوگیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ آخر بابا خاور کا معاملہ آگے کیوں نہیں بڑھا۔ وہ تو سوچ کر آیا تھا کہ آج کیپٹن اسمتھ سے جھڑپ ہو ہی جائے گی۔

پہلے قاسم کو ہوش آیا اور اس نے اپنے نوکروں کو آوازیں دینی شروع کردیں اور پھر دھاڑا۔ ''ابے یہ بتی قِش نے بجھادی۔''

حمید کو پوری طرح ہوش نہیں آیا تھا۔ قاسم کی دھاڑیں ہی اُسے ہوش میں لائیں۔

پھر وہ اٹھا۔ جیب سے سگار لائٹر نکال کر روشنی کی اور اس طرح وہ کمرے کا سوئچ بورڈ تلاش کرسکا۔

تاروں میں کرنٹ موجود تھا۔ کمرہ روشن ہوگیا۔ پھر کچھ دیر بعد یہ بات قاسم کی سمجھ میں آئی کہ وہ اپنی خواب گاہ میں نہیں ہے۔ ذہن پر زور دینے سے یاد آیا کہ وہ تو ایک ویرانے میں پرستان کی پریاں تلاش کررہے تھے۔

''بب ہاں.... بھق....!'' اس نے جماہی لی اور منہ چلاتا ہوا حمید کو گھورنے لگا۔

پورے کمرے میں عمدہ قسم کے چھوٹے قالینوں کا فرش تھا۔ فرنیچر کے نام سے ایک اسٹول بھی کہیں نہ دکھائی دیا۔ دروازے سے باہر بولٹ تھے۔

''قیوں بھائی۔ پھلم ڈائریکٹر یہاں قیسے پہنچے۔'' قاسم نے حمید سے کہا۔

''یہ دوسرا سین ہے۔ ہیرو اور کومیڈین پرستان آپہنچے ہیں۔ یہاں تم ایک موٹی سی عورت سے عشق کرنا.... اور میں طبلہ بجاؤں گا۔''

''یہ کیا بک رہے ہو! ارے باپ رے.... وہ جھاڑیاں کہاں گئیں جہاں دوپٹہ ابے میری غاڑی کہاں گئی۔''

''اسی سیٹ پر رہ گئی جہاں پہلے شوٹنگ ہو رہی تھی۔''

''شوٹنگ....!''

''اور کیا.... ہم لوگ ایک فلم میں کام کررہے ہیں جس کا نام آجا مورے بالما ہے۔''

''امے کیوں مجاخ کرتے ہو۔ ہی ہی ہی۔''

''پہلے کبھی اور بھی کسی کار میں کوبرا دیکھا تھا۔''

''نہیں.... کبھی نہیں۔''

''قبھی اور بھی قسی لڑغی قی مدد قی تھی۔'' حمید نے اسی کے لہجے کی نقل اتاری۔

''قبھی نہیں پیارے بھائی۔''

''فلموں میں دیکھا ہی ہوگا تم نے کہ ایسے مواقع پر لڑکیاں فوراً عاشق ہوجاتی ہیں۔ چاہے کسی بیل گدھے یا اونٹ ہی سے مدد کیوں نہ ملی ہو۔ مثال کے طور پر اگر کسی ویرانے میں کسی لڑکی کی گاڑی کی بیٹری ڈاؤن ہوجائے اور گاڑی اسٹارٹ نہ ہوتو تم اس گاڑی میں ایک گدھا جوت دو۔ جو اس گاڑی کو کھینچ کر گھر تک پہنچا سکے۔ لڑکی راستے ہی میں گدھے پر عاشق ہوجائے گی اور گھر پہنچ کر اس کا تعارف اپنے ڈیڈی سے کراتی ہوئی کہے گی ''ڈیڈی.... اگر آج آپ نہ ہوتے تو اس خوفناک جنگل کے گیدڑ مجھے نوچ کھاتے۔ ڈیڈی گدھے کا شکریہ ادا کر کے فرمائیں گے کبھی کبھی آیا کرو برخوردار۔''

دفعتاً ایک دروازے پر کھڑکھڑاہٹ ہوئی اور حمید قاسم کا شانہ دبا کر آہستہ سے بولا۔ ''تم بس خاموش ہی رہنا اب اس سیٹ کی شوٹنگ شروع ہونے جارہی ہے بس تم چپ چاپ کھڑے رہنا ورنہ پوری ریل تباہ ہوجائے گی۔''

''اچھا....!'' قاسم نے پرخلوص انداز میں وعدہ کیا۔

دروازہ کھلا۔ سب سے پہلے پرنسز تارا نظر آئی اس کے پیچھے ریاست ورگوری کے دو مسلح سپاہی تھے۔

قاسم نے پلکیں جھپکائیں۔ شاید اُسے کسی اسٹنٹ فلم ہی کا سا لطف آرہا تھا۔ تارا چند لمحے خاموش کھڑی انہیں گھورتی رہی پھر تیز لہجے میں بولی۔ ''تم لوگوں نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔''

''میں نہیں سمجھا کماری صاحبہ۔'' حمید نے بڑی لجاجت سے کہا۔

''تم نے ہی ہائی سرکل کلب کے پارکنگ شیڈ میں یہ حرکت کی تھی۔ یعنی کوبرا میری گاڑی میں ڈالا تھا اور خود ہی مدد کرنے دوڑے آئے تھے۔''

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے محترمہ۔''

''اس کا مقصد بتاؤ ورنہ کھال کھینچوالی جائے گی۔''

''اور اس کھال کے چپل صبا رفتار ہوں گے۔'' حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔

''بکواس مت کرو۔ میں تم دونوں کے متعلق سب کچھ معلوم کر چکی ہوں۔ تم سارجنٹ حمید اور یہ خان بہادر عاصم کا لڑکا قاسم ہے۔''

''ہائیں....!'' قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں اور حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ''کھبر دار یہ شوٹنگ نہیں چلے گی۔ ارے باپ رے.... والد صاحب کا نام آ گیا پھلم میں تو میرے دادا جان بھی اکھڑ آئیں گے اپنی قبر سے اور اتنی پٹائی کریں گے والد صاحب کی۔''

''خاموش رہو۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''ارے واہ.... کیوں کھاموش رہوں۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ''سالے تم نے مجھ سے پوچھے بغیر شوٹنگ کیوں شروع کرادی۔ والد صاحب میری ہڈیاں توڑ کر رکھ دیں گے اگر میں پھلم میں آیا۔ اجی واہ یہ بھی توئی بات ہوئی.... واہ اچھی زبردستی۔''

''مقصد بتاؤ۔'' تارا جھلا کر چیخی۔

''یقین کیجئے محترمہ کہ ہم صرف نیاگرہ تک جا رہے تھے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے کچھ دور پر آپ کی گاڑی جھاڑیوں کے قریب نظر آئی تھی۔ میں نے سوچا شاید آپ لوگ پھر کسی دشواری میں پڑ گئی ہیں۔''

دروازے پر قہقہے کی آواز آئی اور حمید اس طرف متوجہ ہو گیا۔ آنے والا ایک طویل قامت اور وجیہہ آدمی تھا۔ لیکن سیاہ سوٹ پر کھوپڑی سے چپکی ہوئی سفید پگڑی عجیب سی لگ رہی تھی۔

''اوہ سکتر صاحب۔'' تارا بھی اس کی طرف مڑی۔

''جی.... کماری صاحبہ۔ مجھے ہر ایک پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ رانا صاحب کا حکم ہے کہ میرے سارے جسم پر آنکھیں ہی آنکھیں ہونی چاہئیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کو اصل واقعہ کا

علم ہی نہ ہوسکتا۔"

"اُوہ....تو وہ آپ ہی کا آدمی تھا جس نے ہمیں میدان کے قریب روکا تھا۔"

"جی ہاں کماری صاحبہ۔"

"شکریہ سیکریٹری صاحب۔ میں ان سے پوچھ رہی ہوں کہ اس حرکت کا مقصد کیا تھا۔"

"لونڈے ہیں۔" سیکریٹری نے مضحکانہ انداز میں کہا۔ "آپ کی شخصیت سے واقف نہ ہوں گے۔ تعارف حاصل کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا۔ مجھے یقین ہے کہ کوبرا بے ضرر رہا ہوگا۔ کسی سپیرے سے خریدا ہوا۔"

"اگر یہ بات ہے تو انہیں سزا ملنی چاہئے۔" تارا نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ارے واہ....!" قاسم نے پھر ہاتھ نچایا۔ "بہت دیکھے ہیں سجا دینے والے۔"

"لڑکے خاموش رہو۔ ادب ملحوظ خاطر رکھو۔" سیکریٹری نے پروقار لہجے میں کہا۔ "تم ورگوری اسٹیٹ کی ایک راج کماری سے مخاطب ہو۔ ممکن ہے خان بہادر عاصم ارب پتی ہوں لیکن ان کی دولت رانا صاحب کے رتبے سے نہیں ٹکر لے سکتی۔ ہم صاحب اختیار ہیں چاہیں تو تمہیں اسی شہر کی سڑکوں پر گھسٹواتے پھریں.... قانون ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ کماری صاحبہ سے معافی مانگو۔ میں کوشش کروں گا کہ وہ تمہیں معاف کردیں اور تم سارجنٹ حمید۔ تمہیں شرم آنی چاہئے تم ایک ذمہ دار آفیسر ہوکر اس قسم کا لونڈا پن کرتے پھرتے ہو۔"

"میں ضرور سزا دوں گی۔" تارا پیر پٹخ کر بولی۔

"میں استدعا کروں گا کماری صاحبہ کہ انہیں معاف کردیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دونوں آپ کی شخصیت سے واقف نہیں تھے۔"

تارا چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر حمید کی طرف اشارہ کرکے بولی۔ "خیر آپ کے کہنے سے معاف کردوں گی لیکن اس آدمی کی شکایت آئی جی سے اور اس کی خان بہادر عاصم سے۔"

"اے نہیں....ارے باپ رے۔" قاسم نے دونوں ہاتھوں سے پیٹ دباتے ہوئے کہا ۔ "اے تم خود میری بوٹیاں کر ڈالو لیکن شکایت نہ کرنا۔ الاقسم....اے بے موت مرجاؤں غا

پیارے بھائی۔ میرا باپ بڑا جالم ہے۔ ہنٹروں سے کھال بھی کھینچ لے گا اور ایک آدھ مہینے کے لئے بند بھی قرد دے غا۔''

تارا دوسری طرف مڑ کر مسکرانے لگی۔

حمید مطمئن تھا کیونکہ خود فریدی ہی نے اُسے تارا کے گرد منڈلانے کا حکم دیا تھا۔ اس نے بڑے پُروقار انداز میں ہاتھ بڑھا کر سیکریٹری سے کہا۔ ''میرا ریوالور مجھے واپس کر جاؤ۔''

''وہی تو ثبوت ہوگا تمہارے خلاف۔'' سیکریٹری مضحکانہ انداز میں مسکرایا۔ ''اب وہ تمہیں آئی جی کے آفس سے ہی واپس ملے گا۔''

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ ''دو چار آئی جی ہر وقت میری جیبوں میں پڑے رہتے ہیں کیونکہ میں انسپکٹر فریدی کا اسسٹنٹ ہوں۔ سمجھے سیکریٹری صاحب۔''

''خیر خیر....!'' سیکریٹری نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''تم لوگ کل بارہ بجے دن سے پہلے نہیں چھوڑے جاؤ گے۔''

عشق

فریدی نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ ''کاش مجھے بھی کبھی اس سیکریٹری کے درشن ہوئے ہوتے۔''

''اس کی فکر نہ کیجئے۔ یہ بتایئے کہ آپ نے مجھے تارا کے پیچھے کیوں لگایا تھا۔''

''خاور کے سلسلے میں۔''

''آخر آپ خاور کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔''

''پرواہ مت کرو۔''

''ارے حجامت بننے والی ہے ریوالور اب تک پہنچ چکا ہوگا آئی جی کے پاس۔''

''تو پھر کیا ہوگا۔'' فریدی مسکرایا۔

''میری شادی ہوگی اور آپ سہرا پڑھیں گے۔'' حمید جھلا گیا۔

''بوکھلانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری جیب میں تمہارا سرکاری ریوالور تھا ہی نہیں۔''

''کیا مطلب....؟''

''تم نے کبھی نمبر دیکھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔'' فریدی مسکرایا۔ ''میں اتنا گدھا نہیں ہوں کہ سرکاری ریوالور تمہیں لئے پھرنے دوں گا۔ وہ تو میرے پاس محفوظ ہے۔''

''وہ مارا....!'' حمید اچھل پڑا۔

''تم نہایت صفائی سے کہہ دو گے یہ رہا میرا ریوالور....!'' فریدی نے سگار کے ڈبے سے ایک سگار منتخب کرتے ہوئے کہا۔ ''اس ریوالور پر اب شاید تمہاری انگلیوں کے نشانات بھی نہ مل سکیں۔ ضائع ہو گئے ہوں گے اس خوشی میں کہ ریوالور ہی تمہارے خلاف کافی ثبوت ہوگا۔ سیکریٹری بے چارہ انگلیوں کے نشانات محفوظ رکھنے کا خیال تک دل میں نہ لایا ہوگا۔''

''ایک بار پھر....وہ مارا۔'' حمید دوسری بار اچھلا۔

''مگر تمہارے ساتھ وہ موٹا کون تھا۔''

''آپ کیا جانیں۔''

''اُوہ....برخوردار....کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ پچھلی رات تمہارا ابھی تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔''

''خدا کی پناہ۔'' حمید آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

''میں نے تمہیں بھڑوں کا چھتہ چھیڑنے کا حکم دیا تھا پھر ایسی صورت میں مطمئن کیسے ہو بیٹھتا۔'' فریدی نے کہا اور سگار سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

چار بج رہے تھے۔ آفس سے اٹھنا ہی تھا۔ فریدی نے ضروری کاغذات ڈراز میں منتقل کئے اور اٹھ گیا۔

پھر کچھ دیر بعد کیڈی پارکنگ شیڈ سے نکل کر کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے گزر رہی تھی۔

''تم نے موٹے کے متعلق نہیں بتایا۔'' فریدی نے کہا۔

''بس گانٹھ کا پورا ہے۔ فرصت کے لمحات خاصے گزر جاتے ہیں۔ خان بہادر عاصم کے سپوت۔''

''اوہ....!'' فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر اس نے ڈاکٹر ڈف والے حادثے سے حمید کو آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم اس وقت وہیں چل رہے ہیں۔''

''کٹکھنا آدمی....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''ساتھ ہی زہریلا بھی....!'' فریدی بولا۔

''اپنے تو کچھ پلے ہی نہیں پڑتا۔ ان دنوں صرف تارا ہی دکھائی دی تھی وہ بھی رانا پرمود کی بھتیجی نکلی۔ اب اگر میں لارڈلن لتھگو کا بھانجا بن سکا تو کام چل جائے گا ورنہ جل ٹھنڈے۔''

''اب اس کی طرف رخ بھی نہ کرنا۔''

''آخر آپ خاور کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔''

''بہت دنوں سے ہوں وہ معاشرے میں بڑی گندگیاں پھیلا رہا ہے۔''

''تو ڈاکٹر ڈف والے کیس سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔''

''بظاہر تو نہیں معلوم ہوتا لیکن ڈاکٹر ڈف بھی تھا اس کے پرستاروں میں۔''

''ڈاکٹر ڈف ہی کے متعلق کچھ بتایئے۔''

''مجھے اس کے گھر میں انسانی ہتھیلیوں کے ایک جوڑے کی تلاش تھی۔''

''میں سمجھ گیا۔''

''کیا سمجھ گئے۔''

''ان ہتھیلیوں کا تعلق براہِ راست افریقہ کے کسی جادوگر سے ہوگا۔''

''ممکن ہے۔''

''جہنم میں جائے۔'' حمید جھلا کر بولا۔ ''اچھا یہی بتا دیجئے کہ اس سیکریٹری کے بچے نے مجھے اس طرح پھانسنے کی کوشش کیوں کی تھی۔''

''تا کہ میری اور تمہاری شکایت کے ڈھیر لگ جائیں اور مجھے سختی سے تنبیہ کی جائے کہ

میں خاور کے پیچھے نہ پڑوں۔اپنے مسٹر اسمتھ کے پاس شکایت آ چکی ہے لیکن میں چونکہ مسٹر اسمتھ ہی کے ایک نجی کیس میں بھی الجھا ہوا ہوں اس لئے انہوں نے زیادہ تیز ہونے کی کوشش نہیں کی ورنہ جانتے ہو کیا ہوتا۔''

''کیا ہوتا....؟''

''یہاں سے ہمارا تبادلہ۔اپنے مسٹر اسمتھ بھی ہیں اس کے عقیدت مندوں میں۔''

''خدا کی پناہ۔یہ انگریز بھی ضعیف الاعتقاد ہوتے ہیں۔''

''ہم سے کہیں زیادہ۔'' فریدی نے گاڑی کی رفتار کم کر کے اُسے ڈاکٹر ڈف کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں موڑتے ہوئے کہا۔

اندر سارجنٹ ہنری سے ملاقات ہوئی جو بے حد مغموم نظر آ رہا تھا اور شاید بہت دیر سے اس نے خالص وہسکی کی ایک چسکی بھی نہیں لی تھی۔

اس نے فریدی کو سیلوٹ کر کے کہا۔''میں تو تھک ہار گیا جناب۔یہاں مجھے کوئی تہہ خانے کا سراغ نہیں ملا۔''

''پرواہ مت کرو۔دیکھیں گے۔'' فریدی حمید کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

رشیدہ خاور کے پیر پکڑے گڑگڑا رہی تھی۔''بابا.... بتاؤ میں کیا کروں وحیدہ بانو کا قصہ طویل ہوتا جا رہا ہے۔اب وہ مجنوں کی سی حرکتیں کرنے لگا ہے۔''

''خدا اس کے حال پر رحم کرے۔بیٹی اس کے علاوہ میں اور کیا کہہ سکتا ہوں۔اٹھو.... اب اٹھ ہی جاؤ۔مجھے زیادہ گنہگار نہ کرو۔تم نے میرے پیر پکڑ رکھے ہیں اور میری روح خداوند قہار کے خوف سے لرز رہی ہے۔''

رشیدہ نے اس کے پیر چھوڑ دیئے اور اٹھ کر پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔ ''میں کیا کروں۔ خدارا میری رہنمائی کیجئے۔ میں نے اس کیلئے اپنی زندگی برباد کردی ہے۔ لیکن اسے میری پرواہ کبھی نہ ہوئی اور اب وہ ایک ایسی لڑکی کیلئے دیوانہ ہو رہا ہے جو اسے کبھی نہ مل سکے گی۔ ایک نواب کی لڑکی۔''

''سچ کہتا ہوں لڑکی۔ اسکے ستارے گردش میں ہیں۔ فی الحال تو اسکی زندگی ہی کی خیر مناؤ۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''وہ ذہین بھی ہے اور احمق بھی۔ اکثر ایسے خطرات بھی مول لیتا ہے جن سے الگ رہنے میں نہ اس کا کوئی فائدہ ہو اور نہ نقصان۔ تم مجھے بتاؤ یہ دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے وہ دیوانہ کب نہیں تھا جو تم آج مجھے اس کی دیوانگی کی کہانی سنانے آئی ہو۔ جاؤ.... خود کو ان الجھیڑوں میں نہ ڈالو۔ مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔''

''آپ مجھے خوفزدہ بھی کر رہے ہیں بابا.... رحم کیجئے۔''

''اچھا تو جاؤ اسی انسان نما بھیڑیئے کے پاس جاؤ جس کے لئے اس نے ان مصائب کو دعوت دی تھی وہ خود ہی تمہیں بتائے گا کہ انور کی پوزیشن کیا ہے۔''

''میں آپ کا اشارہ نہیں سمجھی۔''

''انسپکٹر فریدی.... جس کے لئے اس نے چند خطرناک آدمیوں کو بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''اُوہ .... تو اب سمجھی۔'' رشیدہ دانت پیس کر بولی۔ ''انسپکٹر فریدی۔ خدا سمجھے.... خودغرض آدمی۔ تو کیا فریدی ہی کی ایماء پر اس نے کسی کو بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''اُوہ.... بابا.... اب یاد آ رہا ہے مجھے۔ وہ پُر اسرار آدمی جس نے انور کی زبان بند رکھنے کے لئے دو ہزار روپے دیئے تھے۔ کہیں وہی قصہ تو نہیں۔''

''خدا جانے.... اب تم جاؤ لڑکی۔ باہر دوسرے بھی منتظر ہیں۔ اتنا زیادہ وقت میں کسی کو بھی نہیں دے سکتا۔ ویسے میں کوشش کروں گا کہ وہ وحیدہ بانو کا خیال دل سے نکال دے۔''

''میں زندگی بھر احسان مند رہوں گی بابا۔'' رشیدہ نے ایک بار پھر اس کے قدم پکڑ لیئے

چاہے لیکن خاور تیزی سے پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''جاؤ....بس جاؤ۔''

رشیدہ پھر اس کمرے میں آئی جہاں بیٹھ کر معتقدین اپنی باری کا انتظار کیا کرتے تھے۔

''راج کماری تارا پلیز۔'' خاور کے سیکریٹری نے دوسرے ملاقاتی کے نام کا اعلان کیا۔

رشیدہ نے تارا کو دیکھا جس کے ساتھ دو مسلح اور باوردی باڈی گارڈ بھی تھے۔ وہ اس کے پیچھے خاور کے کمرے کے دروازے تک گئے تھے اور پھر تارا نے انہیں وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا تھا۔ رشیدہ سوچنے لگی کاش وہ معلوم کرسکتی کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے۔

''پرنسز تارا....خوش آمدید۔'' خاور مسکرایا۔ ''تم کیا چاہتی ہو۔ میری بچی۔''

''میرے پاس اسی ایک موضوع کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔'' تارا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اچھی بات ہے۔ تو مجھے اس آدمی کا نام بتاؤ۔ پھر میں دیکھوں گا کہ یہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ تم دونوں کے ستارے موافق ہیں یا نہیں۔''

''کاش مجھے نام معلوم ہوسکا ہوتا لیکن کل میں اس کی تصویر لینے میں کامیاب ہوگئی ہوں تصویر صاف ہے۔''

''بے کار ہے میری بچی۔ بھلا تصویر سے کیا ہوسکے گا۔ مجھے تو اس کا نام معلوم ہونا چاہئے۔ تب ہی اس کے ستاروں کے متعلق کچھ معلوم کرسکوں گا۔ خیر تصویر تو دیکھوں یقیناً وہ آدمی بڑا شاندار ہوگا جس کے لئے پرنسز تارا جیسی مشکل پسند لڑکی بھی پریشان ہوسکتی ہے۔''

تارا نے اپنے وینٹی بیگ سے ایک تصویر نکال کر خاور کی طرف بڑھائی۔ خاور نے بھی ہاتھ تو بڑھایا پھر متحیرانہ انداز میں دو قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''لڑکی کہیں تم مذاق تو نہیں

کر رہیں۔''

تارا اس سوال پر ہکا بکا رہ گئی۔ تصویر اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

خاور نے پھر سنبھالا لیا۔ تحیر کے آثار چہرے پر غائب ہو گئے اور ان کی جگہ ایک طنزیہ سی مسکراہٹ نے لے لی۔

''میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ اسے پہچانتے ہیں۔''

''اچھی طرح.... یہ وہ شخص ہے جس نے ریاست ورگوری کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔''

''نہیں....!'' تارا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''یہ کون ہے۔''

''انسپکٹر احمد کمال فریدی آف سنٹرل انٹیلی جنس بیورو۔''

''اوہ.... مگر کیوں؟ یہ ہماری ریاست کا دشمن کیوں ہو گیا ہے۔''

''دلوں کی بات صرف خدا ہی جان سکتا ہے بیٹی۔ میں نے تمہیں آگاہ کر دیا اور پھر یہ آدمی یہ ایک ایسے پتھر کی چٹان ہے جس کے رخنوں سے بھی پودے نہیں اگتے۔ ستارے کہتے ہیں کہ آج تک وہ کسی عورت سے متاثر نہیں ہوا۔ اسے بھول جاؤ لڑکی ورنہ پچھتاؤ گی۔''

تارا کے چہرے سے اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے خاور کا یہ جملہ سنا ہی نہ ہو۔ پتہ نہیں کیا سوچ رہی تھی۔

''اچھا....!'' یک بیک وہ چونک کر بولی۔ ''شکریہ بابا۔ اب مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔''

وہ تیزی سے دروازے کی طرف مڑ گئی۔ شاید اس کے باڈی گارڈز اس کی تیز رفتاری پر متحیر تھے کیونکہ انہوں نے کبھی اُسے اتنی جلدی میں نہیں دیکھا تھا۔

باہر نکل کر تارا نے گاڑی کا اسٹیئرنگ سنبھالا اور باڈی گارڈز پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ وہ اسے اچھا نہیں سمجھتی تھی کہ اس کے ساتھ باڈی گارڈز بھی ہوا کریں۔ لیکن کار میں کوبرا پائے جانے کے بعد سے مجبوراً اسے ایسا کرنا پڑا تھا۔

پرمود ہاؤز پہنچ کر وہ سب سے پہلے فون کی طرف جھپٹی اور کسی کے نمبر ڈائیل کر کے

پوچھا۔ ''سکتر صاحب ہیں۔''

غالباً دوسری طرف سے نفی میں جواب ملا تھا۔ اس لئے اس نے فوراً ہی ڈس کنکٹ کر کے دوسرے نمبر ڈائیل کئے اور بولی۔ ''ہیلو.... اڈلفیا ہوٹل۔ یس پلیز پٹ می آن ٹو تھرٹین۔''

''ہیلو....!'' کچھ دیر بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کون سکتر صاحب۔ میں تارا ہوں۔''

''یس یور ہائی نس۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''وہ پولیس آفیسر کون تھا جس کی شکایت کی ہے آپ نے۔'' تارا نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''سارجنٹ حمید۔''

''کسی دوسرے آفیسر کا نام بھی تو لیا تھا شاید آپ نے۔''

''لیا ہوگا۔ مجھے یاد نہیں یور ہائی نس۔''

''کسی ایسے آفیسر کا نام جسے وہ اسسٹ کرتا ہے یعنی سارجنٹ حمید۔''

''اُوہو.... وہ جی ہاں.... وہ انسپکٹر فریدی کو اسسٹ کرتا ہے۔''

''خیر کوئی بھی ہو۔'' تارا نے لہجے میں لاپروہی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ وہ شکایت واپس لے لیجئے۔''

''یور ہائی نس۔ میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔''

''تمہیں مطلب سمجھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔'' تارا جھنجھلا گئی۔

''او کے.... یور ہائی نس.... ابھی شکایت واپس لے لوں گا۔ لیکن اسے ہمیشہ یاد رکھئے کہ میں صرف رانا صاحب کو جوابدہ ہوں۔ ویسے....!''

''ویسے کیا.... ہاں.... ہاں کہو۔''

''کچھ نہیں یور ہائی نس.... پورے راج محل میں مجھے صرف آپ ہی سے ڈر لگتا ہے۔'' سیکریٹری کی آواز گھگھیائی ہوئی سی تھی۔

''ہوں....!'' تارا نے ہونٹ بھینچ لئے او بولی۔ ''رپورٹ واپس لی جائے گی۔''

''دیکھئے یور ہائی نس۔ اب رپورٹ واپس لینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے ابھی اطلاع ملی ہے کہ دونوں آفیسرز کو آئی جی نے اپنی کوٹھی پر طلب کیا ہے.... چونکہ فریدی بہت زیادہ معزز آدمی سمجھا جاتا ہے اس لئے شاید وہ ڈپارٹمنٹل قسم کی پھٹکار سے بچ جائیں۔''

''میں نے کبھی نہیں سنا کہ کسی آئی جی نے کسی انسپکٹر کو براہِ راست سزا دی ہو۔ یہ کام تو اسی شعبے کا ڈی ایس پی بھی انجام دے سکتا ہے۔''

''میں نے عرض کیا نا کہ وہ بہت معزز آدمی ہے۔ نواب عزیز الدین خان کا نام سنا ہے کبھی آپ نے۔''

''اوہ.... کیوں نہیں۔ وہی نا جو زیادہ تر وقت سیر وشکار میں گزارا کرتے تھے۔''

''جی ہاں۔''

''انہیں کیوں نہ جانوں گی۔ میں نے بچپن میں ڈیڈی کی زبانی ان کا نام بہت سنا ہے۔ وہ ڈیڈی کے دوستوں میں سے تھے۔''

''تو یہ فریدی نواب عزیز الدین خان کا لڑکا ہے۔''

''نہیں۔'' تارا فرطِ حیرت سے اچھل پڑی۔ پھر ہکلائی۔ ''مم.... مگر.... وہ لوگ تو بہت دولت مند ہیں۔ شاید ہماری اسٹیٹ کا نجی خزانہ بھی اتنا نہ ہو جتنی یعنی کہ۔''

''جی ہاں۔ میں سمجھ گیا۔ آپ یہی کہنا چاہتی ہیں نا کہ فریدی انسپکٹری کیوں کر رہا ہے۔''

''قدرتی بات ہے۔'' تارا نے طویل سانس لی۔ ''ہر آدمی جاننا چاہے گا۔''

''وہ کریک ہے یور ہائی نس.... اُسے سراغ رسانی کا شوق ہے۔ اب تک خود ہی ڈی آئی جی تو ہو ہی گیا ہوتا لیکن اُسے عہدے کی پرواہ کب ہے۔ وہ تو صرف کام کرنا چاہتا ہے۔ اکثر خود ہی لڑ جھگڑ کر اس نے اپنی ترقی رکوائی ہے۔ یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے۔''

''کیا وہ انکل یعنی رانا صاحب کا دشمن ہے۔'' تارا نے پوچھا۔

''کیوں؟ یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا یور ہائی نس۔''

''مجھے اطلاع ملی ہے۔''

''کیا میں اس اطلاع کا ذریعہ معلوم کرسکوں گا یور ہائی نس۔''

''یہ میں نہیں بتا سکتی۔''

''بہتر ہے۔ لیکن آپ نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ لیکن ٹھہریئے! اس کے باوجود بھی آپ چاہتی ہیں کہ شکایت واپس لی جائے۔''

''ہاں۔ اگر وہ انکل کا دشمن ہے تو اس سے چھیڑ چھاڑ کرنا میری دانست میں مناسب نہ ہوگا۔''

''اس کی فکر نہ کریں یور ہائی نس۔ آخر آپ اپنے خادم کو کیا سمجھتی ہیں۔''

''بھئی کچھ بھی ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ ریاست پر کوئی بُرا وقت آئے۔''

دوسری طرف سے ہلکے قہقہے کی آواز آئی پھر سیکریٹری نے کہا۔ ''فریدی بہت چالاک ہے۔ لیکن میں اسے کل کا لونڈا سمجھتا ہوں۔ اس کی عمر تیس سال سے زیادہ نہ ہوگی میں نے پچاس کٹھن موسم جھیلے ہیں۔''

''یعنی پچاس سال۔'' تارا کے لہجے میں تمسخر تھا۔

''جی ہاں۔ لوگ مجھے اس وقت سنجیدہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتے جب میں انہیں اپنی عمر بتاتا ہوں۔ کیونکہ عام اندازہ کے مطابق میں تیس اور چالیس کے درمیان سمجھا جاتا ہوں۔''

''خیر.... اگر اب کچھ نہیں ہوسکتا تو مجبوری ہے۔ کیونکہ وہ طلب ہی کر لئے گئے ہیں۔''

''ذرا ٹھہریئے۔ آپ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ آپ کو کس سے معلوم ہوا کہ فریدی اسٹیٹ کا دشمن ہے۔''

''بابا خاور سے۔'' بیساختہ تارا کی زبان سے نکل گیا اور پھر غلطی کا احساس ہوتے ہی اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔

''مجھے افسوس ہے یور ہائی نس۔'' سیکریٹری کی آواز بھرا گئی۔ ''اس وقت دل کو دھچکا سا لگا ہے۔''

''کیوں.... کیا بات ہے۔''

''میں آپ کو اس شہر کی پاگل عورتوں کی بھیڑ میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ آپ ایک اسٹیٹ کی

کماری ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ ذہین ہیں آپ اس فراڈ کے پاس کس سلسلے میں اور کیسے جا پہنچیں۔ اس سے دور رہئے۔ آپ اسٹیٹ کا وقار خاک میں ملا رہی ہیں۔ میں اسے برداشت نہیں کرسکتا۔ صرف رانا صاحب کو جواب دہ ہوں اس معاملے میں۔"

اس کا لہجہ تارا کو گراں گزرا۔ وہ ماؤتھ پیس میں غرائی۔ "اچھا بکواس بند کرو۔" اور سلسلہ منقطع کردیا۔

سازش

کیپٹن مارش اسمتھ کو آئی جی کے پی اے سے اطلاع ملی تھی کہ آئی جی کے پاس سارجنٹ حمید کی کوئی شکایت آئی تھی اور آئی جی نے فریدی اور حمید کو براہِ راست اپنے بنگلے پر طلب کرلیا ہے۔

بہت بڑی بات تھی اور معاملہ بھی کوئی اہم تھا۔ کیونکہ مارش اسمتھ نے جو کیس فریدی کے سپرد کیا تھا اسی کی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہے۔ کیس کی نوعیت سرکاری نہیں تھی۔ مارش اسمتھ کے ایک دوست نے اس سے نجی طور پر مدد طلب کی تھی اور راز داری کا خواہش مند تھا۔

مارش اسمتھ نے سوچا کہیں آئی جی کو اس کی اطلاع نہ مل گئی ہو۔ ان دنوں بے ضابطہ کارروائیاں شاذ و نادر ہی ہوتی تھیں اور اگر ایسی کارروائیوں کا علم اعلیٰ حکام کو ہوجاتا تو اکثر بڑی الجھنیں پیدا ہوجاتی تھیں۔

بہرحال مارش اسمتھ کو اس کی اطلاع ملی اور وہ آئی جی کی کوٹھی کی طرف دوڑ گیا۔

لیکن اندر کیسے جاتا۔ سڑک ہی پر ایک جگہ رک کر ان دونوں کی واپسی کا منتظر رہا۔

اندھیری رات تھی اس لئے اس نے اپنی گاڑی کوٹھی سے زیادہ فاصلے پر نہیں روکی تھی وہ جہاں بھی تھا راہگیروں کی نظر سے ہر حال میں بچا رہتا۔

کچھ دیر بعد فریدی کی کیڈی کوٹھی کی کمپاؤنڈ سے باہر نکلی تھی اور اسمتھ کی گاڑی کا انجن بھی بیدار ہوا تھا۔ وہ انہیں اسی جگہ نہیں روکنا چاہتا تھا۔

کچھ دور چل کر دونوں گاڑیاں برابر سے دوڑنے لگیں۔ کیونکہ کشادہ سڑک سنسان پڑی تھی۔

''گڈ ایوننگ سر....!'' فریدی کی آواز کچھ حیرت زدہ سی تھی۔

''ایوننگ.... کیوں ادھر کیسے۔''

''ہم یہیں رک کیوں نہ جائیں۔'' فریدی مسکرایا۔''شاید آپ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔''

مارش اسمتھ نے گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر کھڑی کردی۔ اس کے پیچھے ہی فریدی کی کیڈی بھی رکی۔ حمید گاڑی ہی میں بیٹھا رہا۔ فریدی اور اسمتھ نیچے اتر کر ایک طرف بڑھتے چلے گئے۔

''صاحب کے پی اے سے معلوم ہوا تھا کہ آپ لوگوں کی کوئی شکایت آئی ہے۔'' مارش اسمتھ نے پوچھا۔

''جی ہاں.... شکایت تھی لیکن لایعنی۔'' فریدی نے کہا اور شکایت کا موضوع دہراتا ہوا بولا۔''ریوالور حمید کا نہیں ہے۔''

''خواہ مخواہ شکایت کی ہے۔''

''خدا جانے۔'' فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔''حمید نے تو الزامات تسلیم نہیں کئے اور ورگوری اسٹیٹ کے سکریٹری کا بیان ہے کہ اس کے ساتھ خان بہادر عاصم کا لڑکا بھی تھا۔ اب میں اس سے بھی پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہوں۔''

''آئی جی نے حمید کے عذر پر کیا کہا۔''

''ان کے لئے پرمود کا سکریٹری ہم سے زیادہ معتبر ہے۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا ''اور ان کا خیال ہے کہ اب ہم اس شہر کے لئے موزوں نہیں رہے۔ لہٰذا تبادلہ۔''

''یہ زیادتی ہے۔ قطعی غلط ہے۔'' مارش اسمتھ نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

''کچھ بھی ہو۔ تبادلہ نہیں رک سکے گا۔'' فریدی نے ٹھنڈی سانس لی۔

''میں پرنسز تارا سے بخوبی واقف ہوں۔ اکثر ہلینا اس کی پارٹیوں میں جاتی رہتی ہے۔ میں ابھی فون پر اس سے گفتگو کرتا ہوں۔''

''بے کار ہے جناب۔ کچھ نہیں ہوسکتا۔ تبادلہ ہوکر رہے گا۔''

''اور تم....!''

''میری چھوڑیئے۔ میں نے وعدہ کیا ہے کہ آپ کا کام بخوبی سرانجام دوں گا۔ وہ بھی ہوکر ہی رہے گا۔''

''لیکن تبادلہ۔''

''استعفیٰ دے دوں گا۔''

''نہیں۔''

''اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔''

''میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں۔'' اسمتھ غصیلے انداز میں بڑبڑایا۔

موجودہ آئی جی سے کوئی بھی خوش نہیں تھا اس کے متعلق بہتیری بُری کہانیاں مشہور تھیں۔

وہ پھر گاڑیوں کی طرف واپس آئے اور اسمتھ نے فریدی کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ معاملات کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ خواہ اُسے آئی جی سے بھی آگے کیوں نہ بڑھنا پڑے۔

کچھ دور چل کر ان کی راہیں الگ ہوگئیں۔

حمید نے فریدی سے کہا۔ ''وہ سیکریٹری کا بچہ صورت سے ہی انتہائی سُوّر معلوم ہوتا تھا۔''

''مجھے ہر قسم کے سُوّر کے شکار کا تجربہ ہے۔ تم فکر نہ کرو۔''

''نواب خان بہادر عاصم کی طرف جانے کا ارادہ ہے''

''فضول ہی سمجھتا ہوں اسے۔ میری دانست میں تو وہ آدمی اتنا بیوقوف نہیں ہوسکتا کہ اعتراف کرلے۔''

''ارے وہ حماقتوں کا پہاڑ ہے۔''

''دیکھا جائے گا۔'' فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

پرمود ہاؤز کا نگران سنگرام بظاہر نہایت شریف آدمی تھا لیکن بہت کم لوگ جانتے تھے کہ وہ خونی بھی تھا۔ کئی بار کا سزایاب۔ مگر ستارے اچھے ہی تھے کہ پھانسی کے تختے کی راہ پر نہیں لگ سکا تھا۔ سیکریٹری کے خاص آدمیوں میں سے تھا اور شاید صرف وہی اس کے متعلق بہت کچھ جانتا رہا ہو۔

اس وقت وہ غالباً سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور سنگرام انسٹرومنٹ کو اس طرح گھورنے لگا جیسے وہ اُسے چڑا رہا ہو۔

''ہالو....!'' وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ پھر یک بیک اس کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار نظر آئے۔ کیونکہ دوسری طرف سے سیکریٹری نے مخاطب کیا تھا۔

''کیا تم نشے میں....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''نن....نہیں....جج جناب۔ معافی چاہتا ہوں۔'' سنگرام ہونٹوں پر زبان پھیر کر ہکلایا۔

''خیر دیکھو....انسپکٹر فریدی پرنسز تارا سے ملنے آرہا ہے۔''

''جی....!'' سنگرام نے اس طرح پوچھا جیسے اپنی سماعت پر یقین نہ ہو۔

''انسپکٹر فریدی پرنسز تارا سے ملنے آرہا ہے۔ ملاقات کے بعد اس کی واپسی اس کاریڈر سے ہونی چاہئے جس کی نکاسی لفٹ ونگ سے ہوتی ہے۔''

''لفٹ ونگ۔'' سنگرام کی آواز کانپ گئی۔

''اوہو....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کیا تم خوفزدہ ہو۔''

''نن....نہیں تو جناب۔'' سنگرام کا سینہ دھونکنی کی طرح چلنے لگا۔

''واپسی لفٹ ونگ سے ہونی چاہئے۔'' ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا گیا۔

پھر سنگرام نے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور رکھ دیا تھا۔ اس کے چہرے پر زردی سی چھا گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کسی کے لفٹ ونگ سے گزرنے کا مطلب۔ پرمود

ہاؤز کے سیکڑوں راز اس کے سینے میں دفن تھے۔ نہ جانے کتنے معزز مہمانوں کو لفٹ ونگ سے گزرتے دیکھ چکا تھا۔ لفٹ ونگ جس کی نکاسی کا دروازہ عدم آباد ہی میں کھلتا تھا۔ لیکن انسپکٹر فریدی! سنگرام اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ وہ فریدی سے اچھی طرح واقف تھا خود بھی فریدی کے لئے اجنبی تو نہیں ہوسکتا تھا۔

اس نے سوچا وہ پرنسز تارا سے کیوں ملنے آرہا ہے؟ اور پھر اس وقت کلاک رات کے دس بجا رہا تھا۔ پرنسز تو خواب گاہ میں چلی گئی ہوں گی۔ ممکن ہے اس وقت وہ اس سے ملنا پسند ہی نہ کریں۔ لیکن شاید انہیں ملنا ہی پڑے گا کیونکہ سکتر صاحب اس کی واپسی لفٹ ونگ سے چاہتے تھے۔

سنگرام کے تحت نصف درجن بُرے آدمی بھی تھے اور یہ سیکریٹری ہی کی ایماء پر ملازم رکھے گئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی نوعیت کا شاطر ترین آدمی تھا یک بیک ان میں سے ایک نے کمرے میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔

''آؤ....!'' سنگرام اُسے گھورتا ہوا بولا۔ کیونکہ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے تھے۔

''کیوں....؟''

آنے والے نے کسی کا ملاقاتی کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔ یہ فریدی ہی کا کارڈ تھا۔

''راج کماری سے ملنا چاہتا ہے۔'' آنے والے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہوں....اچھا جاؤ اور اپنے آدمیوں سے کہہ دو کہ اس کی واپسی لفٹ ونگ سے ہوگی۔''

''جی....!'' آنے والا متحیرانہ انداز میں اچھل پڑا۔

''لفٹ ونگ....کیا تم نے سنا نہیں۔'' سنگرام جھلا گیا۔

''جج....جی ہاں....سس سن لیا ہے۔''

''دفع ہو جاؤ۔'' سنگرام غرایا۔ اس کے چلے جانے کے بعد پھر اس کے چہرے پر زردی چھا گئی اور وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب اُسے لفٹ ونگ سے

گزرنا ہی ہے تو خود راج کماری تارا بھی اس سے ملنے کے لئے تیار ہوگی۔ سکتر صاحب کی اسکیمیں ہر اعتبار سے مکمل ہوتی ہیں۔ لیکن فریدی.... فریدی!

اس نے فون پر پرنسز تارا سے رابطہ قائم کیا۔

''کون.... کیا کہا۔'' دوسری طرف سے حیرت زدہ سی آواز آئی۔

''کیا آپ اس وقت انسپکٹر فریدی سے ملنا پسند فرمائیں گی یور ہائی نس۔''

''اُوہ.... کیا وہ آئے ہیں۔''

''یس یور ہائی نس.... وہ ملاقات کے کمرے میں آپ کے جواب کے منتظر ہیں۔''

''میں ضرور ملوں گی۔''

سنگرام نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے ریسیور رکھ دیا۔

فریدی کو یہاں کئی جانی پہچانی شکلیں نظر آئی تھیں۔ اس نے سوچا معاملات کافی آگے بڑھ چکے ہیں۔ اُسے محتاط رہنا چاہئے۔ شاید اس کے فرشتوں کو بھی خیال نہ آتا کہ پرمود ہاؤز میں اس قسم کے لوگ بھی دکھائی دیں گے۔

کچھ دیر بعد تارا کی سیکریٹری نے آکر اطلاع دی کہ پرنسز آیا ہی چاہتی ہیں۔

پھر تارا آئی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ فریدی احتراماً کھڑا ہوگیا۔

''اُوہ.... تشریف رکھئے جناب۔'' تارا کے لہجے میں لجاجت تھی۔

''ناوقت تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔'' فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔ ''لیکن معاملہ ایسا ہی تھا۔''

''مجھے بے حد افسوس ہے۔'' تارا نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مجھے علم نہیں تھا کہ وہ آدمی کون تھے۔''

''اس کی بات نہیں۔ بدتمیزوں کو یقینی طور پر سزا ملنی چاہئے۔ مگر دشواری یہ ہے کہ سارجنٹ حمید نے اس الزام کو تسلیم نہیں کیا۔ ثبوت میں جو ریوالور پیش کیا گیا ہے وہ بھی اس کا نہیں۔''

''دیکھئے نا.... دراصل مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔'' تارا نے چڑھتی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''پتہ نہیں میری گاڑی میں کوبرا کس نے ڈالا تھا۔''

فریدی نے سنی ان سنی کر کے کہا۔ ''کیا آپ مجھے رانا صاحب کے سیکریٹری سے ملوا سکیں گی۔''

''کیوں نہیں۔ ضرور ضرور۔ لیکن ان کا ملنا مشکل ہی ہوتا ہے۔''

''آپ صرف پتہ بتا دیجئے۔''

''فون نمبر لکھ لیجئے۔ وہ اڈلفیا کے ایکسٹنشن تھرٹین پر ضرور ملتے ہیں۔''

''شکریہ.... بہرحال میں آئی جی صاحب کو مطمئن نہیں کر سکا۔ حالانکہ.....''

''وہ دیکھئے میں انہیں مطمئن کر دوں گی۔ شکایت واپس لے لوں گی۔ مجھ سے بتایا گیا تھا کہ وہ آپ کا اسسٹنٹ ہے لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کون ہیں۔ آپ یعنی کہ میں آپ کو فریدی صاحب کی حیثیت سے نہیں جانتی تھی۔ اُوہ۔'' وہ اس طرح خاموش ہوگئی جیسے بے خبری میں کوئی غلط بات زبان سے نکل گئی ہو۔ پھر جلدی سے بولی۔ ''دیکھئے مجھے علم نہیں تھا کہ نواب عزیز الدین خان صاحب۔''

''اوہ.... اُسے بھول جایئے۔ میں بھی بھول گیا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ آپ کے والد شمشیر سنگھ بہادر سے اُن کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ بہرحال آپ آئی جی کو مطمئن کر سکیں تو بہتر ہے.... ویسے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ آپ کی گاڑی میں حمید نے کوبرا نہ ڈالا ہوگا۔ یہ بھی محض اتفاق ہے کہ اس وقت وہی آپ کی گاڑی کے پیچھے تھا۔''

''مجھے یقین ہے۔ میں ابھی اور اسی وقت آئی جی کو رنگ کروں گی۔''

''شکریہ۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

''دس سردی.... بہت ہے۔'' تارا ہکلائی۔ ''کیا آپ ایک کپ کافی پینا بھی پسند نہیں کریں گے۔''

''شکریہ پرنسز....اس وقت جلدی میں ہوں پھر کبھی۔''

''کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ....!'' تارا خاموش ہوگئی۔

''ہاں فرمایئے۔''

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ پرانے تعلقات پھر استوار ہو جائیں۔''

''اُوہ....ضرور ضرور۔ شکریہ۔'' فریدی مسکرایا۔ لیکن پھر یک بیک سنجیدہ ہوگیا۔ ایک دروازے میں پھر اُسے ایک چونکا دینے والی شکل نظر آئی تھی۔

یہ سنگرام تھا۔ دروازے سے نکلتے وقت اس نے کہا۔ ''ادھر سے چلئے جناب۔ کمپاؤنڈ میں رکھوالی کے کتے چھوڑے جاچکے ہیں۔''

''ہاں....چلو چلو۔''

وہ ایک جانب چل پڑے۔ سنگرام ایسے ہی عادی مجرموں کی لسٹ پر تھا جس سے مخصوص قسم کے جرائم کے سلسلے میں ضرور پوچھ گچھ کی جاتی تھی خواہ وہ شہر کے کسی حصے میں ہوئے ہوں۔ بہت دنوں سے وہ نظر نہیں آیا تھا۔ اس لئے فریدی کا خیال تھا کہ وہ شہر ہی چھوڑ چکا ہے۔

''کک....کیسے تشریف لائے تھے جناب۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''آہا....ٹھہرو بھئی۔'' وہ کاریڈر کے موڑ پر رکتا ہوا بولا۔ ''یہیں سے عمارت کے بائیں بازو والا کاریڈر شروع ہوتا تھا۔ سنگرام رک گیا۔ فریدی نے پوچھا ''سارجنٹ حمید کو پہچانتے ہونا۔''

''کیوں نہیں۔ ضرور پہچانتا ہوں جناب۔''

''وہ یہاں کتنی دیر بند رکھا گیا تھا۔''

''تقریباً پندرہ گھنٹے....مم....مگر....!''

''پرواہ مت کرو۔ میں جانتا ہوں کہ ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ میں صرف سیکریٹری سے دو دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کہاں ملے گا۔''

''یہ بتانا میرے بس سے باہر ہے جناب۔ ان سے اچانک ہی ملاقات ہوتی ہے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب اور کہاں ہوں گے۔''

''فون نمبر۔''

''خود مجھے کبھی ضرورت نہیں پیش آئی فون کرنے کی۔اس لئے اس سلسلے میں بھی میں کوئی مدد نہ کرسکوں گا۔ دیکھئے میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ سارجنٹ حمید یہاں کیوں لائے گئے ہیں۔ مجھے تو اس وقت معلوم ہوا جب ان دونوں کو اسٹریچر پر اٹھا کر اندر لایا جارہا تھا۔ ورنہ میں پہلے سے کوئی تدبیر کرلیتا۔''

''یعنی....!'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میں آپ لوگوں کو آگاہ کردیتا کہ آپ کے لئے کوئی جال بچھایا جارہا ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اصلیت کیا تھی۔لیکن میرا خیال ہے کہ جال ہی تھا۔''

''ہوں....اچھا چلو۔''

''ایک منٹ.... میں یہاں دھوکے میں آ پھنسا تھا۔ ورنہ آپ جانتے ہی ہیں کہ جب میں دولت گنج میں رہتا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔اسی لئے مجھے تمہیں یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کیونکہ تم نے مجھ سے ہی وعدہ کیا تھا کہ اب تم باعزت طور پر زندگی بسر کرو گے اور شاید کچھ دنوں کیلئے سچ بھی کر دکھایا تھا۔''

''بس پھنس گیا تھا۔ پھر بتاؤں گا۔ وقت کم ہے۔اب آپ کو اس کاریڈر میں مڑنا ہے۔ فرش پر رنگین بلاک لگے ہوئے ہیں۔ پوری راہداری میں سیاہ رنگ کا بلاک صرف ایک ہی ہے۔ اس پر پیر نہ پڑنے پائے۔ احتیاط رکھئے گا۔ میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔لیکن وہ چھ کمبخت۔ میں انہیں رازدار نہیں بنا سکا۔ وہ آس پاس کے کمروں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ جب دیکھیں گے کہ آپ بلاک پر پیر رکھے بغیر ہی گزر گئے تو وہ آپ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ دھکیل کر لے جائیں گے اسی بلاک پر اور آپ....!''

''اور میں تیزی سے کسی تہہ خانے میں پہنچ جاؤں گا۔'' فریدی مسکرایا۔

''جی ہاں.... جی ہاں۔'' وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔''میں آپ کے ساتھ ہی ہوں گا۔ لمبا قدم رکھ کر سلیپ پار کرتے ہوئے میرے منہ پر ایک زوردار گھونسہ جڑ دیجئے گا اور پھر

اس کے بعد آپ ہی سوچ سکیں گے کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔"

"کمپاؤنڈ میں واقعی کتے ہیں۔"

"انتہائی خطرناک.... جو رکھوالے کے علاوہ اور کسی کو نہیں پہچانتے۔ خود سیکریٹری بھی سامنے آئے تو اس کی بھی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔"

"آؤ.... پرواہ مت کرو۔" فریدی دوسرے کاریڈر میں مڑتا ہوا بولا۔

پھر کاٹا

حمید نے اپنا ملاقاتی کارڈ نکالا اور اس کی پشت پر قلم سے فلم ڈائریکٹر لکھ کر ملازم کی طرف بڑھا دیا۔

وہ اس وقت قاسم کی ذاتی رہائش گاہ خان ولا کے برآمدے میں کھڑا تھا۔

کچھ دیر بعد ملازم نے واپس آ کر کہا۔ "چلئے صاحب۔"

وہ ایک وسیع ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ پھر ملازم واپس چلا گیا۔ قاسم سامنے ہی صوفے پر نیم دراز تھا اور اس کے دونوں گال بُری طرح پھولے ہوئے تھے۔ اس کے سامنے والے صوفے پر ایک ادھیڑ عمر کی نرس موجود تھی۔

"قق.... قوں.... قق قوں۔" قاسم نے ہاتھ ہلا کر ہونٹوں کو جنبش دیئے بغیر آوازیں نکالیں۔ غالباً اشارہ تھا بیٹھ جاؤ۔

حمید نے حیرت سے نرس کی طرف دیکھا اور وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔ پھر وہ قاسم کی طرف دیکھنے لگا۔

دفعتاً قاسم نے عجیب سی آواز نکالی۔ "یوما.... ہپ.... ازکا۔" بھاڑ سا منہ پھیل گیا اور دانتوں کے درمیان لوہے کا ایک بہت بڑا گولا پھنسا ہوا نظر آیا۔

پھر قاسم نے اسے دانتوں سے کھینچنے کی کوشش کر کے غالباً یہ جتایا کہ گولا پھنس گیا ہے۔ نکل نہیں سکتا۔ بوڑھی نرس ہنس رہی تھی۔

اب قاسم نے ایک چھوٹی سے لکڑی اٹھائی اور اسے اپنے سر کے گرد گھمانے لگا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے گولا بھی دانتوں سے کھینچا اور اسے اچھالتا ہوا بولا۔ ''یہ دیکھو۔''

گولا بھد سے زمین پر گرا۔ نرس بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

''پھنس جاتا ہے سالا.... پھر جادو کی لغڑی گھمانی پڑتی ہے۔'' قاسم نے بھی بہت زیادہ خوش ہو کر کہا اور دادطلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔'' نرس اٹھتی ہوئی بولی۔

''بہت اچھا.... بہت اچھا۔'' قاسم نے بھی اٹھتے ہوئے اخلاقاً دانت نکالے۔

نرس کے چلے جانے پر حمید نے قاسم کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کی تعریف۔''

قاسم بُرا سا منہ بنا کر آہستہ آہستہ بڑبڑایا۔ ''صورت حرام.... کمینی.... ذلیل۔''

''ہائیں کسے گالیاں دے رہے ہو۔''

''انہیں بیغم صاحب کو۔ خود اکیلے اکیلے۔ دیکھ لیں گی تماشہ.... صاحب جادی کو کبھی ساتھ نہ لائیں گی۔'' قاسم نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ پھر جھلا کر بولا۔ ''اے قیوں نہ دوں غالی۔ یہ قوئی شرافت ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو پیارے۔ سمجھنے بھی تو دو۔''

''اے خود تو دیکھتی ہیں تماشہ وماشہ اور وہ بیچاری گھر میں اقیلی پڑی جلا کڑھا کرتی ہے۔''

''کون۔''

''ٹھینگے سے۔'' قاسم پھر جھلا گیا۔ ''بھس میں عقل بھرا ہوا ہے تمہارے۔ اتی سی بات سمجھ میں نہیں آتی....!''

''سمجھ گیا.... لیکن یہ محترمہ اکیلی ہی سہی آتی کیوں ہیں۔''

''قیوں نہ آئیں۔ روق دو۔ اگر ہمت ہو۔'' قاسم نے مرنے مارنے والے انداز میں۔

آنکھیں نکالیں۔

''یہ مطلب نہیں تھا پیارے۔ میں تو اس کی نالائقی پر خفا ہو رہا تھا۔''

''ہے نا نالائک.... واہیات۔''

''خیر یہ بتاؤ شکایت تو نہیں آئی۔''

''غاں.... خوب یاد دلایا۔'' قاسم دہاڑا۔ ''یہ بتاؤ بیٹا چار سو بیس تم نے مجھے اُلو کیوں بنایا تھا۔ قہنے لغے شوٹنگ ہو رہی ہے.... اور ہو رہا تھا سالا قچھ گھپلا.... ابے اس سیکریٹری صاحب کو رحم آ گیا تھا.... ورنہ تمہاری وہ کٹو بیغم تو کھال کھینچوا کر بھس بھرا دیتیں۔''

''اچھا تو پھر سانپ تم نے ڈالا ہوگا اس کی گاڑی میں۔''

''میں نے.... ابے کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ آنکھیں پھوٹ جائیں تن من کیڑے پڑیں اغر میں نے ڈالا ہو۔ واہ بھئی کھوب رہی۔''

''تو بتاؤ نا.... پھر کس نے ڈالا تھا۔''

''ابے میں قیا جانوں پیارے بھائی۔''

''کسی نے ڈالا تھا بہر حال محض اس لئے کہ ہم پکڑے جائیں.... مگر کیوں؟''

''تم ہی پھر ماؤ.... اپنے تو کچھ پلے پڑتا نہیں۔''

''ہمارے کسی دشمن کی حرکت تھی تاکہ ہم پھنس جائیں۔ سنا ہے تمہارے باپ بہت ظالم آدمی ہیں۔''

''بلقل بلقل....!'' قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی پھر گڑبڑا کر پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ''ہائے للّا اب میں کیا قروں۔ اگر شکایت ہوگئی..... ارے باپ رے۔''

اس نے تھوک نگلتے وقت خوفزدہ انداز میں آنکھیں نکالیں اور اس طرح گردن مسلنے لگا جیسے حلق خشک ہو رہا ہو۔

''پوچھا تھا تمہارے باپ نے۔''

''ابھی تو نہیں.... قیا.... پوچھیں گے؟''

''میں کیا جانوں۔''

''نہیں بتا دو پیارے بھائی....الاقسم پوچھ بیٹھے تو کیا ہوگا۔ابے وہ زبان سے نہیں پوچھتے ہائے باپ رے۔''

''ارے تو کیا واقعی پٹائی ہوتی ہے۔''

''ہاں....!'' قاسم دردناک آواز میں کراہا۔''بس کیا بتاؤں۔مکدر کی خرابی۔ میں اتنا بڑا ہوگیا ہوں مگر میرے بابا جان ابھی تک نہیں مرے۔اُوف....اُوع....یعنی کہ ارے باپ رے کیا بق رہا ہوں۔'' وہ خاموش ہوکر اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رسید کرنے لگا۔

حمید ہنس پڑا۔ پھر بولا۔''اچھا کوہستان سلمہ اب ایک بات یاد رکھو۔کوئی بھی کچھ پوچھے اس واقعہ کے متعلق صاف انکار کر دینا۔تم کچھ نہیں جانتے۔تم نے کسی لڑکی کو کبھی سانپ سے نہیں بچایا تھا۔سب جھوٹ ہے۔بکواس ہے۔''

''ہائیں۔سب جھوٹ تھا۔سب جھوٹ ہے۔بکواس ہے۔''

''خیر یہاں تو صرف آنکھیں پھوٹیں گی لیکن تمہارا بھرتا بن جائے گا۔بس اب میں جا رہا ہوں۔یہی کہنے آیا تھا۔''

''اَمے....اَمے....اے....ارے....ٹھہرو نا۔میری بھی تو سنتے جاؤ۔''

حمید رک کر مڑا اور قاسم مسمی سی صورت بنا کر بولا۔''یوں کھفا ہوکر نہ جاؤ۔پیارے نہ جانے قیا بات ہے جب سے تمہیں دیکھا ہے ہر وقت تمہارے لئے بے قرار رہتا ہوں۔ہی ہی ہی....الاقسم....یکین کرو۔تم میں پتہ نہیں کدھر سے جادو بھرا ہوا ہے۔ایسا دوست آج تک نہیں ملا اور اَمے ہاں۔یہ تمہارے کارڈ پر یہ کیا لکھا ہوا ہے۔کیا واکئی تم قوئی آفیسر ہو۔''

''حمید نے اُسے سمجھایا کہ وہ کون ہے۔''

''اَمے تو پھر کرو نا جاسوسی واسوسی۔'' قاسم خوش ہوکر بولا۔''میں نے ایک پھلم میں دیکھا تھا۔لونڈیاں دھڑا دھڑ مرتی ہیں جاسوسوں پر....اللہ۔'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہوکر کچھ دیر تک کسی خیال میں گم منہ چلاتا رہا۔پھر بولا۔''ہائے ہم نہ ہوئے قسی کابل۔''

''فکر مت کرو نورِ نظر.... میں تمہیں قتابل بنا دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔''

''یہ کیا ہوتا ہے پیارے بھائی۔''

''بہت زیادہ قابل۔ اچھا بس آرام کرو۔ میں چلا۔''

''ارے نہیں اِتی جلدی نہ کرو۔ ہائے یہ جالم جمانا....اب دیکھو جو یہ چپاتی بیگم۔ ابھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ بیماری میں میری دیکھ بھال کرتی ہیں ارے تو جب بیمار نہیں ہوتا تب بھی کیوں دھری رہتی ہیں.... ہاں صاحب....تماشہ دکھا دیجئے اور وہ نہیں آتیں کبھی تماشہ دیکھنے....!''

''کون....؟''

''ارے وہی....ان کی صاحب جادی۔''

''ان میں کیا خاص بات۔''

''ارے واہ قوئی خاص بات ہی نہیں ہے۔ اے جاؤ....بس جل گئے۔''

''کہاں کی ہانک رہے ہو۔''

''لو اور سنو....میں جھوٹ بول رہا ہوں۔''

''یار بس ختم کرو۔ میں چلا پھر ملوں گا۔'' حمید نے تیزی سے قدم بڑھائے۔ قاسم پکارتا ہی رہ گیا۔

فریدی محتاط ہو کر قدم اٹھا رہا تھا۔ دفعتاً سنگرام نے سرگوشی کی۔ ''ہاتھ ایسا ہی ہونا چاہئے انسپکٹر صاحب کہ میں کچھ دیر کے لئے بے کار ہو جاؤں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ راہداری میں فرش پر لگے ہوئے بلاک کم از کم سولہ مربع فٹ کے ضرور رہے ہوں گے۔ فریدی نے سیاہ رنگ کے مربع بلاک کے قریب پہنچ کر چھلانگ لگاتے ہوئے سنگرام کی کنپٹی پر ایک ہاتھ جڑ دیا۔

لیکن ان چھ آدمیوں نے بھی ظاہر ہونے میں دیر نہیں لگائی جن کے متعلق سنگرام اُسے پہلے ہی بتا چکا تھا۔

سنگرام اتفاق سے سیاہ رنگ کے بلاک پر ہی گرا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بلاک سمیت فرش پر دھنستا چلا گیا اور جلد ہی کھٹاکے کی آواز کے ساتھ بلاک دوبارہ اپنی جگہ پر نظر آیا۔ لیکن سنگرام کا اب کہیں پتہ نہ تھا۔

ان چھ آدمیوں نے فریدی پر اسی نیت سے حملہ کیا تھا کہ کسی طرح اُسے سیاہ بلاک کی طرف دھکیل لے جائیں لیکن ایسی صورت میں جبکہ فریدی ہوشیار ہو چکا تھا ہر چیز ناممکن ہی تھی۔ پہلے تو وہ لوگ بڑی خاموشی سے جدوجہد کرتے رہے لیکن جب فریدی کے ہاتھ پڑنے شروع ہوئے تو ضبط کے باوجود بھی ان کے بھنچے ہوئے ہونٹوں سے غراہٹیں اور کراہیں آزاد ہونے لگیں۔ وہ خود بھی اس سیاہ رنگ کے بلاک سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن دفعتاً ایک آدمی لڑکھڑا ہی گیا۔ اس پر سے فریدی کی ٹانگ .... اچھلا اور اسی بلاک پر جا پڑا۔ پھر قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا بلاک کافی گہرائی میں دھنس چکا تھا۔

اب تو شور سے کاریڈر گونجنے لگا تھا۔ وہ فریدی کے ہاتھ کھا کر گرتے پھر سنبھلتے اور نئے سرے سے حملہ شروع ہوتا۔ پھر شاید آہستہ آہستہ وہ بھولتے گئے کہ فریدی کو گھیرنے کا مقصد کیا تھا۔ اب تو وہ اپنی جدوجہد کا نتیجہ فریدی کی لاش کی شکل میں دیکھنا چاہتے تھے۔

دفعتاً کاریڈر کے سرے سے تارا کی سریلی سی گرج سنائی دی۔ ''ٹھہرو.... یہ کیا ہو رہا ہے۔''
لیکن فریدی نے اس آدمی کو دوسروں پر پھینک ہی مارا جسے اس نے سر سے بلند کر رکھا تھا۔

پھر بلاک ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا اور مار کھائے ہوئے لڑاکے کو ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی نے اُسے بلاک سے دھکا دے دیا ہو۔ گھر گھراہٹ کی آوازیں کانوں میں گونج رہی تھیں۔ بلاک پھر تیزی سے اوپر جا رہا تھا۔

''او حرام خورو۔'' اس نے سیکریٹری کی گرج سنی اور بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

سیکریٹری سامنے ہی کھڑا نظر آیا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور جسم غصے سے کانپ رہا تھا۔ پیروں کے قریب ہی سنگرام بے ہوش پڑا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' اس نے دانت پیس کر کہا۔

''فف.... فریدی سرکار۔ پہلے اس نے استاد کو مارا۔ وہ بلاک ہی پر گرے اور اب۔!''

''اوہ....!'' سیکریٹری نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ خود بھی اس کی مرمت شروع کر دے گا۔

''سرکار.... وہ ہوشیار تھا۔ اس نے کالے بلاک کے قریب پہنچ کر چھلانگ لگائی تھی اور اُسے پار کر گیا تھا۔ استاد نے پکڑنا چاہا لیکن خود ان کا یہ حشر ہوا۔''

وہ بے ہوش سنگرام کی طرف دیکھنے لگا پھر تیزی سے اس کے قریب دوزانو ہو کر جھکتا ہوا بولا۔ ''میرے خدا.... یہ دیکھئے سرکار.... چہرے پر بائیں جانب کتنا ورم آ گیا ہے۔ پتہ نہیں یہ فریدی کس دھات سے بنایا گیا ہے۔''

''بکواس بند کرو۔'' سیکریٹری غرایا۔ ''تم سب ناکارہ اور بزدل ہو۔ میں نے تمہارے انتخاب میں غلطی کی تھی۔''

اس ریمارک پر لڑاکے کا منہ بگڑ گیا۔ اس نے کینہ توز نظروں سے سیکریٹری کی طرف دیکھا اور پھر زہریلے لہجے میں بولا۔ ''فریدی حلوہ نہیں ہے جناب۔ ہمارے پیشے کا ہر آدمی اُسے ہوا سمجھتا ہے۔ سارے شہر میں ایک بھی ایسا بدمعاش نہ ملے گا جو اس کے سائے سے بھی بچنے کی کوشش نہ کرتا ہو۔''

''خاموش رہو۔'' سیکریٹری غرایا۔

پھر یک بیک لڑاکے کی آنکھوں میں دیوانگی کی جھلکیاں دکھائی دینے لگیں اور اس نے زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''سرکار کے حکم سے ہم نے نہ جانے کیا کچھ کیا ہے۔ لیکن یہ فریدی ہے سرکار۔ میرا فرض ہے کہ آپ کو آگاہ کر دوں۔ یہاں اس شہر میں وہ دھاندلیاں نہیں چلنے دیتا۔ شہر کے کسی بھی جرائم پیشہ آدمی سے پوچھئے وہ آپ کو یہی بتائے گا کہ فریدی سوتے

وقت بھی ایک آنکھ سے جاگتا رہتا ہے۔''

''میں کہتا ہوں بکواس بند کرو۔'' اس بار سیکریٹری کی آواز بہت بلند ہوگئی۔ وہ خونخوار نظروں سے لڑاکے کو گھور رہا تھا۔

''تم حرام خور ہو۔ مفت کے ٹکڑے توڑتے ہو۔'' چند لمحے بعد وہ پھر غرایا۔''یا پھر اس سے مل گئے ہو۔''

''میں کہتا ہوں استاد کی خبر لیجئے۔'' لڑاکے نے بے ہوش سنگرام کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''چہرے پر ورم اچھی علامت نہیں۔ بسا اوقات فریدی کا تھپڑ گردن توڑ بھی ثابت ہوا ہے۔''

''خاموش رہ.... کیا تجھے اس کی قصیدہ خوانی کے لئے تنخواہ ملتی ہے۔''

''سرکار.... اپنا لہجہ سنبھالئے.... ہم اس کے عادی نہیں۔ خواہ ہمارا باپ ہی کیوں نہ گفتگو کر رہا ہو۔''

سیکریٹری چونک پڑا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے سوتے سے جاگا ہو اور پھر اس کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کچھ دیر پہلے کی وجاہت محض ایک نقاب رہی ہو۔ اب کتنا بھیانک چہرہ تھا۔ لڑاکا بھی بوکھلایا ہوا سا نظر آنے لگا۔ پھر اس نے سیکریٹری کا منہ بھی پھیلتے دیکھا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے جھپٹ کر کاٹ ہی تو کھائے گا۔

وہ یونہی خواہ مخواہ ہنس پڑا.... لیکن آواز میں خوف کی لرزش بھی شامل تھی۔

سیکریٹری کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں کسی سانپ کی آنکھوں کی سی چمک تھی اور دانت کسی بھیڑیئے کے دانتوں سے مشابہ نظر آتے تھے۔

دفعتاً اس نے لڑاکے پر چھلانگ لگائی لڑاکا بوکھلا کر پیچھے ہٹا لیکن سنبھل نہ سکا۔ فرش پر گرنے سے پہلے ہی سیکریٹری کی گرفت میں آچکا تھا۔ پھر تہہ خانہ اس کی چیخوں سے گونجنے لگا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہڈیاں کڑکڑا رہی ہوں۔ سیکریٹری کی گرفت اتنی ہی سخت تھی اور بتدریج مزید سخت ہوتی جا رہی تھی۔

پھر اس کے دانت لڑاکے کے بائیں گال میں پیوست ہوگئے۔

''ارے.... ارے.... یہ کیا.... کاغ.... چھوڑ ارے.... چھوڑ سُوّر کے بچے۔'' تارا کی آواز پر ان کے ہاتھ رک گئے۔

''یہ کیا بیہودگی پھیلائی ہے تم لوگوں نے۔'' وہ غصیلی آواز میں کہتی ہوئی آگے بڑھی۔

''وہیں ٹھہریئے۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''کیوں.... کیا بات ہے۔ یہ کیا ہوا۔ تم لوگوں نے اس کی جرأت کیسے کی۔ کس کے حکم سے۔'' تارا آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ فریدی نے اُسے غور سے دیکھا۔ اس کی دانست میں غصے کا انداز بناوٹی نہیں تھا۔ لیکن پھر.... پھر شاید وہ سیکریٹری کے معاملے میں دخیل نہیں ہے۔ فریدی نے سوچا۔ حتیٰ کہ اس کے مختلف مشاغل کا علم بھی نہیں رکھتی۔

''ہم سے سنگرام نے کہا تھا کماری جی۔'' ایک آدمی نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''سنگرام کہاں ہے۔''

''پپ پتہ نہیں۔'' اس نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس سے فریدی نے اندازہ کرلیا کہ تارا شاید نہیں جانتی کہ یہاں کوئی تہہ خانہ بھی ہے۔ دفعتاً اس نے ایک آدمی کو سیاہ بلاک پر دھکیل دیا۔ لیکن اس بار بلاک نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی اور وہ آدمی فریدی کو گھورتا ہوا دوسری طرف ہٹ گیا۔

''اب آپ قریب بھی آسکتی ہیں۔'' فریدی مسکرایا۔

''آپ یقین کیجئے اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔'' تارا آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

''مجھے یقین ہے۔''

''آخر سنگرام کو جرأت کیسے ہوئی۔'' اس نے قریب پہنچ کر ان پانچوں کو مخاطب کیا۔

''ہم کچھ نہیں جانتے سرکار....!'' ایک آدمی نے جواب دیا۔ ''ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ سکتر صاحب کا حکم ہے کہ ہم سنگرام کا ہر حکم بجالائیں۔''

''وہ ہے کہاں مجھے بتاؤ۔''

وہ آدمی پھر فریدی کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ فریدی بڑی بے پروائی سے سر جھکائے سگار سلگا رہا تھا۔

فرار

کرائم رپورٹر انور، ریاست ورگوری میں بھٹکتا پھر رہا تھا لیکن اس کے جسم پر چیتھڑے جھولتے نہ دیکھے جا سکے۔ ویسے رشیدہ نے بابا خاور کو یہی اطلاع دی تھی کہ وہ ایک رات دیوانگی کے عالم میں دفتر سے نکل بھاگا تھا۔ دو دن تک شہر کے بعض حصوں میں دیکھا گیا لیکن پھر اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔

ہوا یہ کہ انور دفتر میں بیٹھا دوسرے دن کے لئے جرائم کی خبریں مرتب کر رہا تھا۔ اتنے میں رشیدہ اس کی میز پر آئی۔ اُسے حقیقتاً ان دنوں انور کے متعلق بڑی تشویش تھی۔ پہلے تو وہ وحیدہ بانو کی کہانی کو محض مذاق سمجھی تھی لیکن پھر کچھ کچھ یقین ہو چلا۔ بات بھی ایسی ہی تھی کہ وہ الجھن میں مبتلا ہو جاتی۔ اس نے انور کے فلیٹ میں اس کی میز پر کاغذ کا ایک ٹکڑا دیکھا جس پر مختلف انداز میں جابجا ''وحیدہ بانو'' لکھا ہوا تھا۔ کہیں ڈیزائنوں میں کہیں بخط نسخ اور کہیں نستعلیق میں۔ ایک آدھ جگہ پنسل سے خوبصورت سی آنکھیں بھی بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ پھر ایک جگہ دیوار پر بھی پنسل سے ''وحیدہ بانو'' گھسیٹا ہوا نظر آیا تھا۔

بہرحال وہ مطمئن نہیں تھی۔ اس وقت شامت اعمال ہی کہنا چاہئے کہ اس کی زبان سے وحیدہ بانو کا نام رپٹ گیا۔ وہ بھی طنزیہ انداز میں۔

اس نے کہا۔ ''بالکل مجنوں نظر آ رہے ہو۔ شاید وحیدہ بانو براجمان ہیں کھوپڑی میں۔''

بس پھر کیا تھا خلاف توقع انور اچھل کر کھڑا ہو گیا.... تیور غیر معمولی تھے۔

''ہاں وحیدہ بانو براجمان ہیں۔'' وہ اتنی زور سے چیخا کہ سارا دفتر گونج اٹھا۔

''پاگل ہو گئے کیا۔''

انور پھر اسی انداز میں چیخا اور پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچنے لگا۔

یہ قطعی غیر متوقع اور انوکھی حرکت تھی۔ آفس میں اُن کی نوک جھونک جاری رہتی تھی لیکن اس حد تک نہیں کہ آس پاس کے کمروں میں بھی ان کی گونج سنائی دیتی۔ انور کے کمرے کے باہر خاصی بھیڑ اکٹھی ہوگئی اور سرکولیشن منیجر کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں اس وقت انور نے اپنی قمیض پھاڑ ڈالی تھی اور اب شاید دیوار سے ٹکرانے کے لئے اسٹارٹ لے رہا تھا۔

''ہائیں.... ہائیں.... یہ کیا ہو رہا ہے۔'' سرکولیشن منیجر چیخا۔

لیکن انور نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر دیوار سے سر ٹکرا ہی دیا اور ساتھ ہی وحیدہ بانو کے نام کا نعرہ لگایا۔

پھر دوسری بار بھی وہی حرکت دہرانے والا تھا کہ کچھ لوگ اور بھی آ گئے اور انہوں نے اُسے پکڑ لیا۔ لیکن وہ بے تحاشہ ہنس رہے تھی۔

''ہنستے ہو۔'' انور حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ ''مجھے پاگل سمجھتے ہو میں پاگل ہوں۔''

انور اس رنگ میں پہلے کبھی نہیں دکھائی دیا تھا اس لئے انہیں سنجیدگی ہی اختیار کرنی پڑی۔ انہوں نے انور کو چھوڑ دیا اور وہ اس طرح سمٹ کر اکڑوں بیٹھ گیا جیسے کپڑے بھیگ جانے کی وجہ سے سردی لگ رہی ہو۔ وہ اس کے چاروں طرف خاموشی سے کھڑے رہے۔ رشیدہ کو تو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

انور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ہوئے سسکیاں لیتا ہوا بولا۔ ''ہٹاؤ اس عورت کو۔ خدا کے لئے یہاں سے لے جاؤ۔ یہ مجھے زندہ نہیں رہنے دے گی۔'' پھر سر اٹھا کر حلق کے بل چیخا۔ ''لے جاؤ۔''

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ شہر کی سڑکوں اور گلیوں میں اس حال میں نظر آیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پتھر تھا اور چھوٹے چھوٹے بچے اس کے پیچھے تالیاں بجاتے پھر رہے

تھے۔ کبھی کبھی وہ پتھر ان کے کھینچ بھی مارتا۔ لیکن اس طرح نہیں کہ کوئی اس کی زد میں آ جاتا۔

دو دن تک وہ اسی طرح بھٹکتا رہا۔ دراصل اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ اس کا تعاقب تو نہیں کیا جاتا۔ پھر اسے یقین ہی ہوگیا کہ فریدی کا خیال درست تھا۔ یعنی ان لوگوں نے خود اُسے کوئی اہمیت نہ دی۔ یہی سمجھتے ہیں کہ فریدی نے اُسے بلیک میلنگ اسٹف سے آگاہ نہ کیا ہوگا۔ صرف آلہ کار کی حیثیت سے استعمال کیا ہے۔

یقین کی وجہ یہی تھی کہ دیوانگی کے ان دو دنوں میں اپنے آس پاس کوئی ایسا آدمی نہیں دکھائی دیا تھا جس پر نگرانی کرنے والے کا شبہ بھی ہوسکتا۔

دو دن بعد اس نے اپنے حلئے میں معمولی سی تبدیلی کی اور چل پڑا ریاست ورگوری کی طرف۔ لیکن یہ فریدی کا کام نہیں تھا بلکہ اُسے اس غضب ناک سوتیلی بہن کی تلاش تھی جس نے اپنے بھائی کے دونوں کان اکھاڑ لئے تھے۔

ورگوری میں وہ سارا دن بھٹکتا پھرا۔ لیکن رانا پرمود کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے علاوہ اور کچھ نہ کرسکا۔ کہیں بھی کوئی ایسی غضب ناک سوتیلی بہن نہ مل سکی۔

کیپٹن اسمتھ متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑے فریدی کی کہانی سن رہا تھا۔

''پرنسز تارا قطعی طور پر لاعلم ہے۔ وہ نہیں جانتی کہ محل میں کوئی تہہ خانہ بھی ہے کیونکہ ان پانچوں بدمعاشوں نے اُسے سنگرام اور دوسرے آدمی کا پتہ نہیں بتایا تھا۔'' فریدی نے خاموش ہوکر جیبیں ٹٹولیں۔

''تم سگار سلگا سکتے ہو انسپکٹر۔'' اسمتھ مسکرا کر بولا۔

''شکریہ جناب۔'' فریدی نے سگار کیس نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لڑکی

خوفزدہ بھی تھی اور شرمندہ بھی۔ مجھے یقین ہے کہ اس حرکت میں صرف سیکریٹری ہی کا ہاتھ تھا۔''

کیپٹن اسمتھ نے سگار لے کر سلگایا اور کش لے کر بولا۔''یہ کون سی برانڈ کے سگار ہیں مسٹر فریدی۔''

''ڈائرکٹلی امپورٹڈ فرام جاوا.... یہاں نہیں ملیں گے۔'' فریدی نے کہا اور اپنا سگار سلگا کر بولا۔''میری دانست میں تو اس مسئلے پر خاموشی ہی اختیار کرنی چاہئے۔''

''اوہ.... تم نے میرے منہ کی بات چھین لی۔ اگر تم اس سلسلے میں کسی باضابطہ کارروائی کا مطالبہ کرتے تو میں بڑی الجھن میں پڑ جاتا۔''

''مجھے حیرت ہے جناب۔''

''تم نہیں سمجھ سکتے۔ سیکریٹری سے آئی جی کے بے حد گہرے تعلقات ہیں اور آئی جی سے زیادہ کمینہ آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ لوگ اُسے عام طور پر انگریز سمجھتے ہیں لیکن وہ ایک جرمن کتیا کی اولاد ہے، عورت فاحشہ تھی۔ ضروری نہیں کہ وہ سرٹوبی ہی کا نطفہ ہو۔''

''پھر بھی.... آخر یہ تعلقات کس نوعیت کے ہیں۔''

''سیکریٹری اس کے لئے لڑکیاں فراہم کرتا ہے۔''

''ہوں....!'' فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔''کیا آپ خاور اور سیکریٹری کے درمیان کسی قسم کے تعلقات کا علم رکھتے ہیں۔''

''دیکھو بھئی۔ خاور کو درمیان میں نہ لاؤ۔ وہ بہت گریٹ آدمی ہے۔ ایسا باکمال آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ جانتے ہو اس نے تمہاری شکایت کرنے سے پہلے کیا کہا تھا۔''

فریدی استفہامیہ انداز میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''اس نے کہا تھا کہ وہ نہیں چاہتا کہ تمہارے خلاف کوئی کارروائی کی جائے اگر کی گئی تو اُسے دکھ ہوگا۔ بس اتنا کہا جائے کہ تمہیں سلیقہ سکھایا جائے کسی کے مکان میں بغیر اجازت داخل ہونا بری بات ہے۔ مگر سنو۔ آخر تمہیں اس سے کیا شکایت ہے۔''

''بہت ہی معمولی قسم کی شکایات ہیں اور یہ غلط ہے کہ میں بغیر اجازت کے عمارت میں

داخل ہوا تھا۔ خاور کو یقینی طور پر غلط فہمی ہوئی تھی۔ باہر ملازم موجود تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اندر جانے پر کوئی پابندی نہیں۔ ہر آدمی جا سکتا ہے۔''

''مطلب یہ کہ وہ تو ٹھیک ہے لیکن عمارت کے بعض حصے ایسے بھی ہیں جنہیں وہ صرف نجی ضروریات کے لئے مخصوص رکھتا ہے۔''

''تو پھر اس منزل پر میں ہی کسی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''خیر اسے جانے دیجئے۔ شاید میں خاور سے معافی مانگ لوں۔ ہاں تو پھر سیکریٹری کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے۔ وہ خواہ مخواہ میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔''

''سارجنٹ حمید کی کہانی۔''

''یقین کیجئے کہ کوبرا اس نے گاڑی میں نہیں ڈالا تھا۔ البتہ اس کی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اتفاقاً ہی ادھر جا نکلا تھا یا سچ مچ تارا اُسے اچھی لگی تھی۔ اُسے کیا اچھی لگی ہوگی اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا خان بہادر عاصم کا لڑکا۔ رولس اسی کی تھی۔ آپ جانتے ہیں اس طبقے کے لوگ کیسے اوباش ہوتے ہیں۔''

''تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ خود سیکریٹری نے حمید کو پھانسنے کی کوشش کی تھی۔''

''مگر کیوں؟ اچانک اسی موقع پر کیوں جب مجھے کٹے ہوئے ہاتھوں کی تلاش تھی۔ ڈاکٹر ڈف اور اس کی لڑکی اس طرح کیوں مار ڈالے گئے اور اسی زمانے میں جب میں اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا ایسا کیوں ہوا۔''

''تم مجھے الجھن میں ڈال رہے ہو۔'' اسمتھ اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''تم ہمیشہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے ہی شکار نکالتے ہو جن کے بڑے بڑے آفیسرز سے تعلقات ہوں۔''

''اُوہ.... یہ میری بدقسمتی ہے کہ عموماً ایسی ہی اتفاقات ہوتے ہیں۔''

''ٹھہرو۔ مجھے سوچنے دو۔'' ایس پی اسمتھ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اس کے ماتھے پر تفکر کی گہری

لکیریں تھیں۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''اگر سیکریٹری ہی تمہارے پیچھے پڑ گیا ہے تو اس بار یقینی طور پر ہمیں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ممکن ہے محکمے کو تم سے ہاتھ دھونے پڑیں۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں لیکن کام بہر حال جاری رہے گا۔ میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ مہاراج کمار کا کیس ضرور نپٹاؤں گا۔''

''شکریہ مسٹر فریدی۔''

''اور یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ سیکریٹری نے خود ہی چھیڑ چھاڑ شروع کی ہے۔''

''بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے مسٹر فریدی۔'' کیپٹن اسمتھ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''کیونکہ تم پرمود ہاؤز کے تہہ خانے والے راز سے واقف ہو گئے ہو۔ سنو.... ایک مشورہ ہے۔''

''فرمایئے۔''

''تم دو ماہ کی چھٹی کی درخواست دے دو ابھی اور اسی وقت۔ اور میں اُسے آج ہی کی تاریخ میں منظور بھی کرلوں۔ ورنہ یقین رکھو کہ کل تک تمہارے تبادلے کا حکم آ جائے گا اور وہ بھی کچھ اس قسم کا یا تو چوبیس گھنٹے کے اندر تم چارج دے دو یا اپنی عادت کے مطابق استعفیٰ۔''

''تجویز مناسب ہے۔'' فریدی مسکرایا۔ ''لیکن حمید کا کیا ہوگا۔''

''اس سے بھی چھٹی کی درخواست دلواؤ۔ بہتر ہے۔''

انور کا دوسرا دن تھا ورگوری میں۔

ورگوری چھوٹا سا خوبصورت شہر تھا جسے بڑے سلیقے سے بسانے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہاں ایک عظیم الشان ہوٹل کی موجودگی بھی اسے بعض دوسرے بڑے شہروں سے ممیز کرتی تھی۔ یہ تھا ولنگڈن ہوٹل.... کہا جاتا ہے کہ اس کا نقشہ رانا پرمود نے یورپ سے بھجوایا تھا اور ایک یورپین انجینئر ہی کی نگرانی میں اس کی تعمیر بھی ہوئی تھی۔

انور نے ولنگڈن ہی میں قیام کیا کیونکہ وہ آج کل پھکو بھی نہیں تھا۔ ایک ہزار فریدی ہی سے ملے تھے اور پھر وہ دو ہزار جن کے متعلق وہ کش مکش میں تھا کہ ان کا کیا مصرف ہونا چاہئے بہر حال ضرورت پڑتی تو وہ خرچ کر دینے سے بھی دریغ نہ کرتا۔

اس وقت وہ ڈائننگ ہال میں ناشتہ کرر ہا تھا۔ دفعتاً ایک بوڑھے انگریز کو دیکھ کر چونک پڑا۔ کیونکہ اس کی چال جانی پہچانی سی معلوم ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک دیسی آدمی بھی تھا۔ انور ذہن پر زور دینے لگا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ان دونوں نے ایک میز منتخب کر لی۔ انگریز ڈاڑھی والا تھا۔

بات ذہن سے نکل جانی چاہئے تھی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ جانے پہچانے سے معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جاتی.... لیکن انور نہ جانے کیوں الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔

ان کی میز اتنی دور تھی کہ وہ ان کی گفتگو بھی نہیں سن سکتا تھا۔ ناشتہ ختم کر کے کاؤنٹر کلرک کے پاس جانے کے لئے وہ ان کے قریب ہی سے گزرا لیکن اس وقت وہ خاموش تھے۔ یہ کچھ ہی دیر پہلے ہوٹل میں داخل ہوئے تھے۔ آمد غالباً باہر ہی سے ہوئی تھی کیونکہ ان کے ساتھ ان کے سوٹ کیس بھی تھے جنہیں پورٹر اوپری منزل کی طرف لیتا چلا گیا تھا اور یہ دونوں قیام کرنے والے رجسٹر پر دستخط کر کے اس میز پر آبیٹھے تھے اب انگریز شراب پی رہا تھا اور دیسی صرف پائپ کا دھواں بکھیر رہا تھا۔

پھر پائپ نے انور کو مزید الجھنوں میں ڈال دیا۔ کیونکہ وہ بھی جانا پہچانا سا معلوم ہوا تھا۔

اوہو.... اس نے سوچا.... وہ دنیا کا واحد پائپ ہے جسے صرف ایک ہی آدمی استعمال کرسکتا ہے اگر اس کے پاس سے بھی وہ چوری نہ ہو گیا ہو۔ کیونکہ وہ پائپ ہالینڈ کے ایک کارپینٹر نے تراشا تھا اور تحفتاً ایک ایسے آدمی کو پیش کیا تھا جسے دیکھ کر ہی انور کو غصہ آجاتا تھا۔ پھر یہ آدمی سارجنٹ حمید کے علاوہ اور کون ہوتا۔

وہ کاؤنٹر تک گیا اور کاؤنٹر کلرک سے دو چار باتیں کر کے پھر واپس آیا۔ دراصل اب وہ ان کے قریب ہی کی میز پر بیٹھنا چاہتا تھا۔

ایسی ایک میز خالی بھی مل گئی۔ دیسی کی پشت انور کی طرف تھی اور وہ انگریز سے کہہ رہا تھا۔ ''اگر تمہیں اس وقت سرڈگم بگم کے مظالم یاد آئے تو تمہیں خاک میں ملا دوں گا سمجھے۔''

آواز بھی انور نے صاف پہچانی۔ یہ حمید ہی تھا۔ پھر انگریز سارجنٹ ہنری کے علاوہ اور کون ہوتا جبکہ سرڈگم بگم کا حوالہ بھی موجود تھا۔لیکن یہ میک اپ یہ ان دونوں کے بس کا روگ تو نہیں۔فریدی کا ہاتھ یقیناً ہوگا۔آنکھوں کی بناوٹ پر بھی اثر انداز ہونا صرف اسی کے باکمال ہاتھوں کا کرشمہ ہوسکتا تھا۔آنکھوں کی بناوٹ کی تبدیلی ہی کی بناء پر انور کو انہیں فوری طور پر پہچان لینے میں دشواری ہوئی تھی۔

''دیکھو اچھے لڑکے۔'' ہنری کہہ رہا تھا۔''ہم پردیس میں جھگڑا نہیں کریں گے۔''

''زیادہ مت پیو۔ خالص وہسکی .... خدا تمہیں غارت کرے۔ کمبخت ابھی تک میری چائے نہیں لائے۔ بڑی گھٹیا سروس ہے۔''

''ہا....!'' ہنری نے ٹھنڈی سانس لی۔''میں اسی لئے چائے پر وہسکی کو ترجیح دیتا ہوں۔ نہ ابالنے کا جھگڑا نہ دودھ ملانے کی جھنجھٹ... پیار کرو نا پیارے۔انکل ہوپ کہا کرتے تھے...!''

''شٹ اپ....میں اس وقت انکل ہوپ یا سرڈگم بگم سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''اچھا تو پھر تم ہی بتاؤ کہ میں تمہیں کیا سناؤں۔''

''ڈاکٹر ڈف....!'' حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''آہ بیچاری لڑکی۔'' ہنری سچ مچ مغموم نظر آنے لگا۔''ہائے جب بھی وہ یاد آتی ہے مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔''اس کی آنکھوں سے دو موٹے سے قطرے ڈھلک آئے۔''ہائے کلیجہ شق ہونے لگتا ہے۔ بیچاری لڑکی.... میں اُسے دھوکہ دیتا رہا تھا۔ بیچاری بہت خوش تھی کہ ایک سیاہ فام آدمی اُس پر عاشق ہوگیا ہے۔میرے خدا۔ میں گناہ عظیم کے بار سے کیسے سبکدوش ہوسکوں گا۔''

وہ میز پر پیشانی ٹکا کر سسکیاں لینے لگا۔

''ابے تو اے حرام زادے اس طرح رونے کی کیا ضرورت ہے۔'' حمید نے اردو میں کہا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ہنری اردو نہیں سمجھتا تھا۔

''کیا کہا تم نے۔'' ہنری نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

''میں نے کہا۔'' حمید انگریزی میں بولا۔''یہ ایک ہوٹل کا ڈائننگ ہال ہے میرے

باپ.... کہیں بھوں بھوں نہ شروع کر دینا۔"

پھر دفعتاً سنبھل کر بولا۔ "اے سیدھے بیٹھو.... وہ آ گیا ہے۔"

ہنری سیدھا بیٹھ گیا اور رومال سے آنکھیں خشک کرنے لگا۔ انور اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا جس کی جانب حمید کا اشارہ تھا۔

ایک ضعیف العمر آدمی جس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ کاؤنٹر کے قریب کھڑا میزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید نے ہاتھ ہلا کر اُسے اشارہ کیا۔ وہ چند لمحے ادھر ہی دیکھتا رہا پھر آگے بڑھا۔ اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ دونوں احتراماً کھڑے ہو گئے۔ لیکن ابھی وہ ان سے فاصلے ہی پر تھا کہ اچانک ایک فائر ہوا اور وہ بائیں پسلی دباتے ہوئے ڈھیر ہو گیا۔ انور کو فائر کی سمت کا اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ جھپٹتا ہوا اُس راہداری کی طرف پہنچا جہاں سے فائر ہوا تھا۔

ہال میں ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ راہداری میں کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ پھر وہ ابھی وہیں تھا کہ اس نے کسی کو کہتے سنا۔ "اُوہ.... ابھی ایک آدمی بھاگتا ہوا ادھر گیا ہے۔ وہ کاریڈر تھری میں۔"

دم ہی تو نکل گیا انور کا۔ وہ میک اپ میں تھا اور یہاں والوں کے لئے اجنبی بھی۔ بس پھر وہ آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ راہداری کا اختتام ایک بند دروازے پر ہوا۔ لیکن وہ مقفل نہیں تھا۔ صرف چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ اس نے چٹخنی گرائی اور اندھا دھند دروازے سے گزر گیا۔

گلی سنسان پڑی تھی جس طرف منہ اٹھا چل پڑا۔ پھر دوسری پتلی سی گلی میں مڑا۔ یہاں ایک جگہ ایک بوسیدہ سے دروازے پر کوئلے سے "پیشاب خانہ" لکھا ہوا نظر آیا۔ بس پھر وہ دوسرے لمحے میں اندر ہی تھا۔

وہ لڑکی

غنیمت یہی تھا کہ ان دونوں کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں دی تھی۔ ورنہ شاید انہیں بھی کسی قدر الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

بوڑھا دم توڑ چکا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں وہاں ریاستی پولیس بھی نظر آئی۔ اُس آدمی کی تلاش برابر جاری تھی جو راہداری کی طرف دوڑا گیا تھا۔

ہال کے دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی انہیں بھی ''پوچھ گچھ'' کی منازل سے گزرنا پڑا اور پھر لاش وہاں سے اٹھوا دی گئی۔

تقریباً چار گھنٹے بعد یہ کہنا ہی دشوار تھا کہ دو چار گھنٹے پہلے وہاں کوئی قتل ہوا ہوگا۔ کابیرے ڈانسر میزوں کے درمیان تھرکتی پھر رہی تھی۔ موسیقی کی لہریں فضا میں رنگینیاں بکھیر رہی تھیں اور ہنری.... نشے میں ڈوبا ہوا کہہ رہا تھا۔ ''سب بکواس ہے۔ یہ زندگی صرف ایک رقص ہے.... رقص مجبوری.... جیسے کوئی کوڑے مار مار کر کہہ رہا ہو۔ ناچو.... ناچتے جاؤ.... سب بکواس.... انکل ہوپ کی ٹانگیں سرڈگم بگم نے توڑی تھیں.... لیکن مجھے دیکھو میں اسی انگریز کی نوکری کر رہا ہوں اور انکل ہوپ آج بھی مستقبل کے بارے میں ہوپ فل ہیں۔ لعنت.... لعنت.... آئرلینڈ ہمیشہ لنگڑا تا رہے گا۔ مستقبل ہونہہ.... اے بوائے.... بوتل ختم.... اب میں کیا پیئوں۔''

''اب بس....!'' حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ پھر ویٹر کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔

''تم اکثر مجھ پر ظلم بھی کرتے ہو۔ اس وقت ضرورت ہے کہ میں خود کو شراب میں غرق کردوں۔ مجھے لنگڑا آئرلینڈ یاد آ گیا ہے۔''

''مجھے اس وقت اپنی وہ لنگڑی بطخ یاد آ رہی ہے جس نے ڈی ویلیرا کے آٹو گراف لئے تھے۔''

''مذاق مت اڑاؤ۔'' ہنری نے آنکھیں نکالیں۔ ''میں اس وقت سنجیدہ ہوں۔''

''خدا کی قسم....!'' حمید آنکھیں پھاڑ کر ایک جانب دیکھتا ہی رہ گیا۔ ڈائننگ ہال اس

وقت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ایک میز پر اُسے ایک تنہا لڑکی نظر آئی تھی اور لڑکی بھی ایسی جو اُسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی نظریں ملیں لڑکی نے سر جھکالیا اور جھینپے ہوئے انداز میں مسکرانے لگی۔لڑکی دیسی ہی تھی مگر خوش رنگ اور خوش لباس۔ نارنجی ساڑھی میں خود بھی نارنجی ہی رنگ کی معلوم ہو رہی تھی۔

''اُو.... ہنری دی گریٹ۔'' حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔''بیٹے آئر لینڈ والے لفٹ ضرور ملے گی۔''

''کہاں سے۔'' ہنری نے بھی چونک کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ دیکھو....!''

''گڈ....!'' ہنری بڑبڑایا۔''خوب.... کنکھیوں سے ادھر ہی دیکھنے لگتی ہے بار بار۔''

''اور اپنی میز پر تنہا ہے۔'' حمید بولا۔

''تو پھر میں اٹھوں۔میری ڈاڑھی پادریوں کی سی ہے خفا نہیں ہوگی۔''

ہنری اپنی جگہ سے اٹھا اور سیدھا اسی میز پر چلا گیا۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں میری بچی۔'' اس نے پروقار انداز میں پوچھا۔

''ضض....ضرور....تشریف رکھئے۔'' وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

ہنری بیٹھتا ہوا کراہا۔ چند لمحے اسی طرح خاموش رہا جیسے دم لے رہا ہو پھر سر اٹھا کر بولا۔''میں تم سے مدد کا طالب ہوں میری بچی۔''

''اوہ.... کہئے.... میں کیا خدمت کرسکتی ہوں۔''

''وہ اس میز پر دیکھو....وہ لڑکا ہے نا۔'' ہنری نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔''میں اسے سبق دینا چاہتا ہوں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''لڑکیوں کے متعلق ہر وقت میرے کان کھاتا رہتا ہے۔اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ لڑکیاں اُس پر بڑی تیزی سے عاشق ہوتی ہیں۔''

''پھر میں کیا کرسکوں گی۔'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''آپ کیسی باتیں کرر ہے ہیں۔''

''خیر.... اگر خفا ہوگئی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں میری بچی۔ اب چلو.... میں نے تو چاہا تھا کہ وہ کسی طرح ڈھنگ کا آدمی بن جائے۔ بس ایک ہی ڈوز کافی ہوتا۔''

''میں خفا نہیں ہوئی۔'' لڑکی مسکرائی۔ ''مگر بھلا میں اسے کیسے سبق دے سکوں گی۔''

''اس کی جیب میں تین ہزار کے بڑے نوٹ ہیں۔'' ہنری نے کہا۔ ''کسی طرح چھین لو اور تقریباً پانچ گھنٹے تک باتھ روم میں بند رکھو۔''

لڑکی ہنس پڑی پھر بولی۔ ''مجھے ایسی تفریحات پسند نہیں۔ زندہ دلی میرا شعار ہے۔ لیکن اگر کوئی قانونی مسئلہ نکل آیا تو۔''

''اس کی ذمہ داری سو فیصدی مجھ پر ہوگی۔ کوئی ایسی تدبیر نکالو کہ میں بھی تمہارے قریب ہی موجود رہوں۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔''

''مگر تین ہزار.... یہ تو بری بات ہے۔''

''بعد میں واپس کر دینا۔''

''میں تیار ہوں۔ چلئے میں اپنے گھر ہی میں یہ ڈرامہ پیش کرسکوں گی۔ ممی اور ڈیڈی باہر گئے ہوئے ہیں۔ نوکروں کو بھی عمارت سے دور ہی رکھوں گی۔'' وہ بچوں کی طرح ہنس پڑی۔ ''بڑا لطف رہے گا۔ لیکن آپ میرے ساتھ ہی رہیں گے۔ ایک منٹ کے لئے بھی ہٹنا چاہا تو یہ ممکن نہ ہوگا۔ میں اپنی ذمہ داری پر ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتی۔''

''مجھے منظور ہے۔'' ہنری نے کہا۔ ''بس اب تم اٹھ کر باہر چلو۔ میں اسے لا رہا ہوں۔''

لڑکی اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی اور ہنری اپنی میز پر واپس آ گیا۔

''چلو اٹھو۔'' اس نے حمید سے کہا۔

''کیوں....؟''

''وہ ہمیں اپنے گھر لے جائے گی۔''

''او چچا کے بھتیجے.... ہوش میں ہو یا نہیں۔'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔ ''ہم یہاں کیا کرنے آئے تھے۔''

''اب اس بوڑھے کی تدفین میں تو شرکت کرنے سے رہے۔ اٹھ جاؤ جلدی سے۔ فادر نے یہ کب کہا تھا کہ اگر وہ مارا جائے تو تم بھی اس کی قبر میں چھلانگ لگا دینا۔''

''آخر لڑکی سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔''

''ارے.... وہ کچھ نہیں۔ ایک گانے والی لڑکی ہے۔ ہمارا دل بہلائے گی۔''

''سوچ لو بیٹا۔ کہیں کسی چکر میں نہ پھنس جائیں۔ ظاہر ہے کہ ہم پہچان لئے گئے ہیں ورنہ وہ اس طرح مار کیوں ڈالا جاتا۔''

''تم احمق ہو۔ وہ میرے پاس نہیں آئی تھی۔ میں خود ہی اس کے پاس گیا تھا۔''

''پھر بھی احتیاط۔''

''ارے بس۔ دیکھ لی مردانگی۔ خواہ مخواہ میرے کان چبایا کرتے ہو.... شاید لڑکیوں سے بات کرنے کی ہمت بھی نہ پڑے۔ چلو اٹھو.... بوڑھا مر گیا۔ کام ختم۔ اب ہم چھٹی پر ہیں۔''

''ابے پھر سوچ لے۔'' حمید نے نیم رضامند ہوتے ہوئے کہا۔ پھر تھوڑی جھک جھک کے بعد پوری طرح آمادہ ہو گیا۔ اس نے سوچا اس لڑکی نے خود ہی اپنی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی تھی۔ لیکن کسی بڑے ہوٹل میں یہ کوئی اچنبھے کی بات بھی نہیں درجنوں پیشہ ور لڑکیاں ساتھیوں کی تلاش میں رہتی ہیں۔

وہ باہر آئے.... لڑکی ایک شاندار گاڑی میں ان کی منتظر تھی۔ اس نے انہیں بھی پچھلی ہی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اگلی سیٹ پر باوردی ڈرائیور موجود تھا گاڑی میں بیٹھ جانے کے بعد حمید نے سوچا کہ اگر یہ گاڑی اسی لڑکی کی ہے تو وہ پیشہ ور ہرگز نہیں ہو سکتی۔

باہر آنے پر ٹھنڈی ہوا جو لگی تو ہنری کا دماغ ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ کبھی ڈھنگ کی باتیں کرتا اور کبھی بہکنے لگتا۔

''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔'' حمید نے لڑکی کو مخاطب کیا۔

''شکر گزار تو مجھے ہونا چاہئے۔'' لڑکی مسکرائی اور ہنری کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''یہ مجھے میرے مستقبل کا حال بتائیں گے۔ میں نے سوچا انہیں گھر لے چلوں۔ ہوٹل میں اچھا نہیں لگا۔ مگر دیکھئے....اب کیا ہو سکے گا۔ یہ تو بہت زیادہ نشے میں معلوم ہوتے ہیں۔''

''فکر نہ کیجئے....ہم دونوں ہی اچھے پامسٹ ہیں۔'' حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

گاڑی ایک شاندار عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی۔ حمید نے ہنری کو سہارا دے کر اتارا۔ پھر وہ اندر آئے۔ لڑکی گویا قدم قدم پر بچھی جارہی تھی۔ ایک کمرے میں انہیں بٹھا کر اس نے جلد ہی واپسی کا وعدہ کیا اور باہر نکل گئی۔

لیکن پھر کمرے کے دوسرے دروازے گویا جہنم کے دریچے ہی بن کر رہ گئے۔

ہر دروازے سے ایک رائفل جھانک رہی تھی۔

تارا نے برقعہ اتار کر ایک طرف ڈال دیا اور خاور نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور پھر ہنس پڑا۔

''چھپ کر آئی ہو۔''

''ہاں.... بابا میں بڑی الجھنوں میں ہوں۔ مجھے انکل پرمود کے پرسنل سیکریٹری مسٹر بارن کے متعلق بھی کچھ بتایئے۔''

''خطرناک آدمی ہے لیکن اسٹیٹ کے لئے نہیں۔''

''وہ کمال فریدی کا دشمن ہو گیا ہے۔ میرے علم میں لائے بغیر اس پر حملے کراتا رہتا ہے۔''

''یہ بھی اس کی دیانت داری کا ثبوت ہے۔ وہ اسٹیٹ کے دشمنوں کو کیسے برداشت کر سکے گا۔''

''وہ آپ کے متعلق بھی کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔''

''مجھے اس کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔'' خاور مسکرایا۔ ''میں اس کا دوست ہوں اور نہ دشمن۔''

''میں اسی کی وجہ سے چھپ کر آئی ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ آپ فراڈ ہیں۔''

''تمہارے کمال فریدی کا بھی یہی خیال ہے میرے متعلق۔'' خاور بدستور مسکراتا رہا۔

''لیکن میں ایسا نہیں سمجھتی.... آپ عظیم ہیں۔''

''اپنی تعریف سن کر بھی مجھے خوشی نہیں ہوئی۔ عظیم تو صرف وہ ہے۔'' وہ چھت کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔

''میں کیا کروں؟ میں کیا کروں۔ میرے لئے بھی تو کچھ کیجئے۔ سنئے پہلے صرف دیوانگی تھی اب اس میں ضد بھی شامل ہوگئی ہے۔ میں نے جس چیز کی خواہش کی ہے اسے اپنائے بغیر نہیں چھوڑا۔''

''میں جانتا ہوں میری بچی۔ لیکن فریدی کے متعلق بھی میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ پتھر ہے۔''

''ہاں.... مجھے یقین ہے وہ مجھ سے کئی بار ملا ہے لیکن....!'' تارا کی آواز میں جھلاہٹ تھی۔ ''اس طرح ملتا ہے جیسے مجھ میں کوئی خاص بات ہی نہ ہو۔''

''ہوں....!'' خاور کسی سوچ میں پڑ گیا۔ آنکھیں بند کرلیں۔ پھر اس طرح بوکھلا کر آنکھیں کھولیں جیسے اچانک کسی ذہنی حادثے سے دوچار ہوا ہو۔ چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

''نہیں....!'' وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہ ناممکن ہے۔ قطعی ناممکن.... اُسے حاصل کرنے کے لئے تمہیں بہت بڑی قربانی دینی پڑے گی۔''

''میں سمجھتی ہوں۔'' تارا مسکرائی۔ ''آپ مذہب کی بات کریں گے۔ میرا کوئی مذہب نہیں ہے۔ میری ماں یورپین کرسچین تھی.... میرا باپ ہندو تھا۔ لیکن میرا کوئی مذہب نہیں۔ میں اسے ڈھکوسلا سمجھتی ہوں۔''

''تم نہیں سمجھیں میری بچی.... بہتر یہی ہے کہ اس خیال ہی سے باز رہو۔ تم نہیں سمجھ

سکتیں۔ اگر تم اُسے حاصل کرنے پر تل ہی گئیں تو تمہیں پہلے خود کو کسی دوسرے کے حوالے کرنا پڑے گا۔"

''یہ کیا بات ہوئی۔'' تارا جھلا گئی۔

''ستارے یہی کہتے ہیں۔تم مجبور ہو۔البتہ اگر تم اُسے حاصل کرنے کا خیال دل سے نکال دو تو سلامت روی سے زندگی بسر کرتی ہوئی منزل تک جا پہنچو گی۔لیکن یہ منزل فریدی نہیں ہوگا۔"

''فریدی اور صرف فریدی۔'' تارا مٹھیاں بھینچ کر بولی۔

یک بیک خاور کی آنکھیں خوفزدہ نظر آنے لگیں.... وہ اُسے گھورے جا رہا تھا۔ تارا محسوس کر رہی تھی جیسے اس کی جسمانی قوت اس کی اپنی آنکھوں کے راستے خاور کی آنکھوں میں کھنچی جا رہی تھی۔ ہاتھ پیر شل ہوتے جا رہے تھے اور وہ تو خود میں اتنی سکت بھی نہیں محسوس کر رہی تھی کہ اس کی آنکھوں سے نظر ہی بچا سکتی۔

دفعتاً خاور سانپ کی طرح پھپھکارا۔''تو پھر پہلے خود کو فریدی کے کسی دشمن کے حوالے کر دو۔"

تارا کے خشک ہوتے ہوئے ہونٹ خفیف سے کھلے لیکن آواز نہ نکل سکی۔

پھر خاور نے جھرجھری سی لی اور پچھلی حالت پر واپس آتا ہوا نرم لہجے میں بولا۔''میری بیٹی مجھے توقع ہے کہ تم اپنے ضمیر کا خون نہیں کرو گی۔ دل ٹوٹتا ہے ٹوٹنے دو۔ضمیر کا گلا گھونٹنے سے روح مردہ ہو جاتی ہے۔ پھر مردہ روح کو لے کر جینے سے فائدہ۔تم زندگی بھر یہی محسوس کرو گی جیسے کاندھے پر کسی کی لاش اٹھائے پھر رہی ہو۔"

تارا کی سانس پھول رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ میلوں یکساں رفتار سے دوڑتے رہنے کے بعد اچانک رک گئی ہو۔

وہ ایک لفظ بھی کہے بغیر اس کرسی کی طرف مڑ گئی جس کے ہتھے پر برقعہ پڑا ہوا تھا۔

پھر تو ہنری کا نشہ بھی ہرن ہو گیا اور حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''کیوں بیٹے میں کیا کہہ رہا تھا۔''

ہنری سوچ میں پڑ گیا۔ رائفل والے بھی سامنے آ گئے تھے۔ لیکن ان کے چہروں پر نقابیں نظر آئیں اور پھر وہ لڑکی اٹھلاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

''اب تم اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنا سکتے ہو بوڑھے۔'' لڑکی نے ہنس کر کہا۔ ''اس کی جیب سے تین ہزار نکال کر میرے حوالے کر دو اور اسے باتھ روم میں بند کر دو۔''

''کیا مطلب....؟'' حمید بوکھلا کر بولا۔

''یہ حضرت تمہیں سبق دینا چاہتے تھے۔ فرمانے لگے کہ اس کے روپے چھین کر اسے غسل خانے میں بند کرا دینا کم از کم پانچ گھنٹوں کے لئے۔ میں نے پوچھا ایسا کیوں کروں۔ فرمایا لڑکیوں کے متعلق میرے کان چاٹتا رہتا ہے میں اسے سبق دینا چاہتا ہوں۔ کیوں کھوسٹ میں غلط کہہ رہی ہوں۔''

ہنری کا منہ فق ہو گیا تھا۔ کبھی وہ حمید کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی لڑکی کی طرف۔

''ڈفر کہیں کے۔'' لڑکی اُسے چڑا کر بولی۔ ''اگر یہ لڑکیوں کے متعلق تمہارے کان چاٹتا ہے تو میں بھی لڑکیوں کے متعلق دوسروں کے کان چاٹتی رہتی ہوں۔''

''مجھے نہیں معلوم تھا۔'' ہنری نے جلدی سے کہا۔ ''لہٰذا اب میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔''

لڑکی نے قہقہہ لگایا۔ حمید جیب سے اپنا پائپ نکال کر تمبا کو بھرنے لگا تھا۔ پتہ نہیں کیوں اس نے پائپ کی بجائے ریوالور نکال لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

لڑکی نے ایک نقاب پوش کو اشارہ کیا۔ وہ کمرے میں چلا آیا۔

''اس بوڑھے کو کسی باتھ روم میں بند کر دو۔''

''ارے نہیں.... نہیں.... ایسا ظلم نہ کرو۔'' حمید بول پڑا۔

''تم اس کی طرف داری کرو گے۔ جو تمہیں پریشان کرنا چاہتا تھا۔''

''ہم دونوں ایک دوسرے کو معاف کردینے کے عادی ہیں۔''

''تب پھر میں تمہیں بھی سزا دوں گی۔ تمہیں اس کی ڈاڑھی اپنے ہاتھوں سے مونڈنی پڑے گی۔''

''واہ....!'' حمید نے قہقہہ لگایا۔ ''یہ تو سزا نہ ہوئی....اٹھایا ریزر اور کردی صفائی....سزا تو اس وقت سمجھتا جب تم ڈاڑھی اکھاڑ دینے کا حکم دیتیں۔ مجھے محنت کرنی پڑتی اور وہ چیخ چیخ کر مرجاتا۔''

''بہت اچھے......اوہ......'' لڑکی ہنس پڑی۔ ''خاصی تفریح رہے گی۔ اچھا چلو یہی سہی اکھاڑو اس کی ڈاڑھی۔''

''خون پی لوں گا۔'' ہنری غرا کر کھڑا ہوگیا۔

''گراؤ اسے زمین پر۔'' لڑکی نے نقاب پوش کو حکم دیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ شاید ان کی زندگیاں خطرے میں نہیں ہیں۔ اگر مار ڈالنا ہی مقصود تھا تو اس تفریح کی نوبت نہ آتی۔ وہیں ہوٹل میں ہی وہ دونوں بھی ڈھیر کئے جاسکتے تھے لیکن پھر اس کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ یہ امر بھی یقینی تھا کہ وہ پہچان لئے گئے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بوڑھا اس طرح نہ مارا جاسکتا۔

دفعتاً ہنری نے دھاڑنا شروع کردیا۔ وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ تین نقاب پوش اُسے زمین پر گرا دینے کے لئے بھڑ گئے تھے۔

''ٹھہرو ٹھہرو۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''گراؤ نہیں۔ بس ہاتھ پکڑے رہو۔''

پھر وہ آگے بڑھا اور ایک ہی جھٹکے میں ہنری کی مصنوعی ڈاڑھی اکھاڑ لی۔ لڑکی نے قہقہہ لگایا اور حمید جھک کر آداب بجالاتا ہوا بولا۔ ''سرکار ہم بہروپئے ہیں۔ اسی کی روٹی کھاتے ہیں۔ ہم جانتے تھے کہ اتنی بڑی سرکار سے انعام ضرور ملے گا۔''

دفعتاً لڑکی سنجیدہ نظر آنے لگی۔ حمید بھی خاموش ہوگیا۔ نقاب پوش نے ہنری کو چھوڑ دیا تھا۔

''ختم کرو۔'' لڑکی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''انعام ضرور ملے گا۔ یہ ورگوری ہے۔ دارالحکومت

نہیں۔ یہاں سکتر صاحب کا سکہ چلتا ہے۔ بتاؤ کہ تم لوگ سکتر صاحب کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ یاد رکھو.... جھوٹ بولنے کی سزا موت ہوگی۔''

حمید نے طویل سانس لی اور ہنری جماہی لے کر منہ چلانے لگا۔ غالباً وہ پھر دو چار چسکیوں کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

''لے جاؤ۔'' لڑکی نے غصیلے انداز میں کہا۔ ''ان کے جسموں سے کھال اتار دو۔ اُس وقت تک اذیتیں دیتے رہو جب تک یہ سب کچھ بتا نہ دیں۔''

ان کے گرد رائفلوں کا حلقہ تنگ ہوتا گیا۔

دھماکے

رات کو پرمود ہاؤز کی کمپاؤنڈ میں قدم رکھنا آسان کام نہیں تھا۔ پانچ خونخوار قسم کے کتے رات بھر پوری کمپاؤنڈ میں دوڑتے پھرتے تھے اور ان کی موجودگی میں عمارت کا کوئی فرد بھی باہر نکلنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ اگر کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش آئی کہ عمارت سے باہر نکلے بغیر کام نہ چلتا تو سب سے پہلے کتوں کی دیکھ بھال کرنیوالے کو فون پر اطلاع دینی پڑتی اور وہ کمپاؤنڈ میں آ کر کتوں کو کنٹرول کرتا تھا۔ تب کہیں کمپاؤنڈ سے گزر کر پھاٹک تک پہنچنا ممکن ہوتا۔

فریدی کو اس کا علم تھا۔ لیکن آج رات خواہ کچھ بھی ہوتا پرمود ہاؤز میں اس کا داخلہ ضروری تھا۔

آج صبح ہی سے وہ اس کی تیاری میں مشغول نظر آ رہا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے لیبارٹری میں صرف کئے تھے اور اس کے بعد اپنے کتے خانے میں جا گھسا تھا۔ تین رکھوالی کرنے والے السیشین نکالے گئے اور کمپاؤنڈ میں آ گیا تھا۔ پھر ایک ملازم ایک جنگلی خرگوش لایا تھا۔ فریدی نے خرگوش کے جسم میں سبز رنگ کا کوئی سیال انجکٹ کیا اور اُسے کتوں کے لئے چھوڑ دیا۔

ذرا ہی سی دیر میں خرگوش کی ہڈیاں تک باقی نہ رہیں۔ لیکن کتوں نے حیرت انگیز طور پر اونگھنا شروع کر دیا تھا۔

پھر وہ گہری نیند سو گئے۔

پرمود ہاؤز کا نگران سنگرام مضطربانہ انداز میں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔

دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی۔

''آ جاؤ'' سنگرام بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ یہ انہیں چھ بُرے آدمیوں میں سے تھا جو بائیں بازو والی راہداری کے کھیل میں سیکریٹری کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔

''استاد.... ڈینی کا پتہ بتاؤ مجھے.... اب ہماری الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔'' اس نے کہا۔

''کیا تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے۔ میں خود ہی اس کے لئے فکرمند ہوں۔ تم کہتے ہو کہ مجھے سیاہ بلاک ہضم کر گیا تھا۔ لیکن میری آنکھ اسی پلنگ پر کھلی تھی۔'' سنگرام نے پلنگ کی طرف اشارہ کیا۔

''لیکن ڈینی کہاں گیا۔''

''کاش میں بتا سکتا۔ تم کہتے ہو کہ میرے بعد وہ بھی بلاک ہی پر گرا تھا۔''

دوسرا آدمی کچھ نہ بولا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سنگرام کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

''میں تمہاری آنکھوں میں شبے کی جھلکیاں دیکھ رہا ہوں۔'' سنگرام اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''سنو استاد۔ ہم سے زیادہ وفادار کتے تمہارے سکتر صاحب کو کہیں نہ ملیں گے لیکن ہم اس طرح غائب ہو جانا بھی پسند نہیں کرتے۔ میں کہتا ہوں نا کہ وہ بھی تمہارے بعد ہی نیچے پہنچا تھا۔ تم اپنے پلنگ پر جاگے تھے۔ لیکن میں اسے کہاں ڈھونڈتا پھروں۔''

''اوہ.... تو کیا تم یہ سمجھتے ہو.....!''

''ٹھہرو.... استاد مجھے کہہ لینے دو۔ وہ اس لئے غائب ہو گیا کہ سکتر صاحب کے کسی راز

سے واقف ہو گیا تھا۔ تم بیہوش تھے۔ اس لئے یہاں پہنچا دیئے گئے۔ بیہوش نہ ہوتے تو ہم اس وقت تمہیں بھی ڈھونڈ رہے ہوتے۔''

''آہستہ بولو۔'' سنگرام نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور وہ تیزی سے میز کی طرف بڑھا۔ ریسیور اٹھا کر مردہ سی آواز میں ''ہیلو'' کہا۔

''سنگرام۔'' دوسری طرف سے غراہٹ سی سنائی دی۔

''یس سر۔'' سنگرام نے آواز پہچانی۔ دوسری طرف سے سیکریٹری بول رہا تھا۔

''تم سوچ چکے یا نہیں۔ مجھے جواب چاہئے۔''

''میں کیا بتاؤں سرکار۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ فریدی کو بلاک کا راز کیسے معلوم ہو گیا تھا۔''

''کیا تمہیں اپنے آدمیوں پر اعتماد ہے۔''

''وہ سبھی قابل اعتماد ہیں سرکار.... لیکن....!''

''لیکن کیا....؟''

''ڈینی غائب ہے.... دوسروں کا کہنا ہے کہ میری ہی طرح وہ بھی اسی بلاک پر گرا تھا اور نیچے چلا گیا تھا۔''

''اس کی بات چھوڑو۔ تمہیں ان آدمیوں کو ٹٹولنا ہے سمجھے۔''

''لیکن وہ ڈینی کے لئے فکرمند ہیں۔''

''بکواس مت کرو۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کرو۔'' دوسری طرف سے غصیلی آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

سنگرام ریسیور رکھ کر پیشانی کا پسینہ خشک کر رہا تھا۔ دوسرے آدمی نے اُسے گھور کر دیکھا.... اور پھر مسکرایا۔

''سردیوں میں پسینہ استاد....!'' اس نے کہا۔

''تم نہیں سمجھ سکتے.... رحمو.... نہیں سمجھ سکتے۔ میں دلدل میں پھنس گیا ہوں۔ ہاں تمہارا یہ

خیال قطعی درست ہے کہ....!''

''ہاں .... کہو رک کیوں گئے ہو۔ میں نے تمہاری گفتگو سے اندازہ کرلیا ہے۔ ڈینی شاید دنیا ہی میں نہیں۔''

سنگرام کرسی میں گر کر پیشانی مسلنے لگا۔

''تمہارا خیال درست ہے۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں اسی لئے زندہ ہوں کہ اس وقت بے ہوش تھا۔''

''تو پھر اب کیا خیال ہے۔''

''سمجھ میں نہیں آتا۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو استاد۔''

''ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اس محل تک کسی کے بھی قدم نہیں آسکتے خواہ وہ وائسرائے ہی کیوں نہ ہو۔ تم سیکریٹری کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ وہ بہت بھیانک آدمی ہے۔ سرراہ لوگوں کو قتل کراسکتا ہے کوئی اس کا بال بھی بیکا نہ کرسکے گا اب دیکھو نا اس نے انسپکٹر فریدی جیسے آدمی کو بھی اس شہر ہی سے کھسکا دینے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ شاید کامیاب ہی ہوجائے۔ اس رات تو پتہ نہیں وہ کیسے بچ گیا۔''

''اگر یہ بات ہے استاد تب تو سیکریٹری کا بیڑہ ہی غرق سمجھو۔''

''تم نہیں سمجھ سکتے۔ فریدی بے بس ہوجائے گا کیونکہ وہ صاحب اختیار نہیں ہے جب اس کے اوپر والے ہی سیکریٹری کے پیچھے دم ہلاتے پھرتے ہیں تو وہ کیا کرسکے گا۔ فریدی کو تو اب اس شہر سے گیا سمجھو۔ میرا دعویٰ ہے کہ چند ہی دنوں میں اس کا تبادلہ ہوجائے گا۔''

دوسرا آدمی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ سنگرام کرسی سے اٹھا.... دروازہ کھول کر راہداری میں آ کھڑا ہوا۔ چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر دروازے کے قریب آ کر رحمو سے بولا۔ ''ہوشیار رہو اسکا خیال ہے کہ تم چھ آدمیوں کے علاوہ اور کوئی فریدی کی معلومات کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔''

''کیا مطلب....!'' رحمو متحیرانہ انداز میں پیچھے ہٹا۔

''فریدی کوتہہ خانے کے راز سے آگاہ کرنے والا تم میں سے ہی کوئی تھا۔''

''میں اپنے لئے تو قسم کھالیتا ہوں جانتے ہو استاد اس رات کے بعد سے میں نے کمپاؤنڈ سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کی۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ وہ اس طرح بچ نکلے گا تو کم از کم نقابیں ہی استعمال کی ہوتیں۔''

''بس اب جاؤ....ہوشیار رہنا۔''

اسی رات سنگرام بے خبر سو رہا تھا۔ نہ جانے کیوں آنکھ کھل گئی۔ الجھ الجھ کر سویا تھا....اسی لئے بیداری میں بھی ذہن پر کسی خوشگوار کیفیت کی پرچھائیں تک نہیں تھی۔

وحشت....بس یہی دل چاہا کہ کہیں کھلے میں جا نکلے....بیکراں آسمان کی وسعتوں کے تلے جی بھر کے سانسیں لے۔

وہ راہداری سے نکل آیا۔ عمارت سناٹے سے ہم آغوش تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں اُسے اچانک کسی انجانے خطرے کا احساس ہوا۔ اسے اپنے پانچوں ساتھی یاد آئے ....وہ گفتگو یاد آئی جو فون پر سیکریٹری سے ہوئی تھی اور اس کے قدم بیساختہ عمارت کے لفٹ ونگ کی طرف اٹھ گئے۔ ان پانچوں کے کمرے اسی کاریڈر میں تھے جہاں فرش پر سیاہ بلاک نصب تھا۔

کاریڈر کے موڑ پر پہنچ کر رہ رک گیا۔ یہیں کاریڈر کا سوئچ بورڈ تھا۔ اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا.... بیک وقت تینوں بلب روشن ہو گئے۔ ساتھ ہی سنگرام کے ذہن کو جھٹکا بھی لگا۔ ایک سر تا قدم سیاہ پوش کالے بلاک پر کھڑا نظر آیا تھا جس کے کاندھے سے ایک وزنی چرمی تھیلا لٹک رہا تھا۔ قبل اس کے کہ سنگرام کی زبان سے ایک لفظ بھی نکلتا اس نے ٹامی گن کا رخ اپنی طرف ہوتے دیکھا۔

پھر غیر ارادی طور پر اس کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

نقاب پوش تیزی سے مگر بے آواز اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''اپنے کمرے میں چلو۔'' نقاب پوش نے قریب پہنچ کر سرگوشی کی۔

سنگرام بوکھلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ سکا کہ وہ کون ہوگا۔ بہر حال ٹامی گن نے اس کا رخ اپنے کمرے کی طرف پھیر ہی دیا۔

کمرے میں پہنچ کر نقاب پوش نے دروازہ بند کیا اور چٹخنی چڑھا دی۔ آتے وقت وہ کاریڈر کا سوئچ آف کرنا نہیں بھولا تھا۔

سنگرام سوچ رہا تھا غالباً سیکریٹری کا کوئی نیا روپ ہے۔ کہیں اس نے ان پانچوں ہی کا خاتمہ نہ کر دیا ہو۔

سیکریٹری جیسے آدمی کے لئے یہ ممکن تھا کہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکنے کی بناء پر وہ ان پانچوں ہی کو ابدی نیند سلا دیتا۔

دفعتاً سیاہ پوش نے چہرے سے نقاب ہٹا دی اور سنگرام اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ انسپکٹر فریدی تھا۔

''آپ....!'' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ہاں....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''اگر میرے ہاتھ میں ٹامی گن نہ ہوتی تو تمہارا کیا رویہ ہوتا میرے خلاف۔''

''کچھ بھی نہیں۔ میں آپ کو سکتر سمجھا تھا۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ پھر بوکھلا کر بولا۔ ''مم....مگر آپ یہاں تک پہنچے کیسے۔ مطلب یہ کہ کمپاؤنڈ کے کتے۔''

''آج وہ آرام کر رہے ہیں۔'' فریدی مسکرایا۔ ''اور صبح تک کرتے رہیں گے۔''

''جائیے.... جلدی سے جائیے۔ ان چھ آدمیوں میں سے ایک غائب ہے۔ وہی جو میرے بعد بلاک پر گر کر نیچے پہنچا تھا۔ سیکریٹری کو شبہ ہے کہ چھ آدمیوں میں سے کسی نے آپ کو بلاک کے راز سے آگاہ کر دیا تھا۔''

''میں جانتا تھا کہ یہی ہوگا....اسی لئے میں نے تمہارے ذرا گہرا ہاتھ رسید کیا تھا تا کہ تم شبہے سے بالاتر ہوجاؤ۔''

''اس ہاتھ کے لئے بے حد شکر گذار ہوں جناب۔'' سنگرام مسکرایا۔''بائیں گال پر اب بھی کسی قدر ورم باقی ہے۔''

''یہ ضروری تھا۔''

''میری زندگی کا انحصار بھی اسی پر تھا۔''

''اچھا اب جلدی کرو۔'' فریدی نے کہا۔''ابھی اور اسی وقت تم سب میرے ساتھ ہی نکل چلو۔ ورنہ کل تم میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔''

''کیا مطلب....؟''

''مطلب بتانے کا وقت نہیں۔ تمہیں مجھ پر اعتماد ہونا چاہئے۔''

''مم....مگر کیوں؟''

''میں تہہ خانے کی سیر کر چکا ہوں۔ اسے اس کا علم ہوجائے گا۔''

''خطرناک....خدا کی قسم بے حد خطرناک۔ مگر آپ نیچے کیسے پہنچے۔ معمولی حالات میں وہ بلاک اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرسکتا۔''

''دو گھنٹے صرف کئے تھے راستے کی تلاش میں۔ ہاں سنو....اس نے فلاڈلفیا ہوٹل کا کمرہ نمبر تیرہ چھوڑ دیا ہے۔ اب کہاں فون کرتے ہو تم۔''

''کہیں بھی نہیں۔ وہ خود ہی فون پر کال کرتا ہے۔''

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔''میری دانست میں تم یہیں ٹھہرو۔ میں نے دوسری تدبیر سوچی ہے۔ تم محفوظ بھی رہو گے۔ اُسے جہنم تک پہنچانے میں میری مدد بھی کرسکو گے۔''

''بتائیے۔''

''ان پانچوں میں سے تم کس پر اعتماد کرسکو گے۔''

''غغ....غالباً رحمو پر....وہ بھی شدت سے بیزار ہے اور اُسے ڈینی کے غائب ہوجانے پر

بے حد تشویش ہے.... دونوں گہرے دوست تھے۔"

"ٹھیک .... صرف اُسی کو میرے ساتھ جانے دو۔ تمہارا سیکریٹری صرف اُسے ہی میرا مدد گار سمجھے گا.... تم لوگ محفوظ رہو گے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" سنگرام کے چہرے پر اطمینان کی لہریں نظر آئیں۔

"بس تو جگالاؤ اُسے۔"

کچھ دیر بعد رحمو فریدی کے ساتھ جانے کے لئے تیار تھا اور فریدی سنگرام سے کہہ رہا تھا۔ "کسی طرح سیکریٹری کی انگلیوں کے نشانات حاصل کرو۔"

"بڑا مشکل کام ہے جناب۔" سنگرام کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں نے ہمیشہ اس کے ہاتھوں میں باریک ربر کے دستانے دیکھے ہیں.... خیر دیکھا جائے گا۔"

حمید اور ہنری کی حالت ابتر تھی۔ ان کے جسموں پر کئی جگہ جلتے ہوئے لوہے کے داغ تھے۔ آخری دھمکی تھی کہ چہرہ بھی داغدار بنا دیا جائے گا۔

لیکن وہ لوگ جو کچھ معلوم کرنا چاہتے تھے اس کا علم ان دونوں کے فرشتوں کو بھی نہیں تھا۔ وہ پوچھ رہے تھے کہ ولنگڈن ہوٹل میں مارا جانے والا بوڑھا ان سے کیوں ملنے آیا تھا۔ وہ کیا بتاتے۔ جبکہ خود انہیں ہی نہیں معلوم تھا کہ اس ملاقات کے بعد کیا ہوگا۔

فریدی نے اُنہیں بوڑھے کی تصویر دی تھی تاکہ وہ اُسے دیکھتے ہی پہچان سکیں اور بس۔ بعد کی باتوں کا انحصار بوڑھے ہی پر تھا۔ لیکن وہ اس سے پہلے ہی مار ڈالا گیا۔

دن بھر انہیں طرح طرح کی اذیتیں دی گئی تھیں اور اب رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ہنری کا بُرا حال تھا۔ اتنی دیر سے شراب نہ ملنے کی وجہ سے اُسے اس کا وہ چچا ایک بار بھی یاد نہیں

آیا تھا جس کی ٹانگیں سرڈگم بگم نے توڑ دی تھیں۔ شراب نہیں ملی تھی اس لئے مغموم ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اگر آدمی مغموم نہ ہوتو یہ بھی ضروری نہیں کہ خوش ہی ہو۔ اُسے غصہ بھی آسکتا تھا اور وہ لفنگوں کی طرح گالیاں بھی بک سکتا ہے۔ ہنری کی یہی کیفیت تھی۔ حمید کا خیال تھا کہ اس نے آج ہی تقریباً پچاس عدد بالکل نئی قسم کی گالیاں دریافت کی ہیں۔

داغوں کی جلن بے حد تکلیف دہ ہوگئی تھی۔ لیکن اُسے ہنری پر غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ خود بھی اس لڑکی کے جال میں پھنس سکتا تھا۔ اسی کی ایماء پر ہنری اٹھ کر اس کے پاس گیا تھا۔ اب یہ اور بات ہے کہ نشے میں سنک گیا ہو۔

بارہ بجے یک بیک کمرے کی روشنی گل ہوگئی اور پھر قیامت ہی آ گئی تھی۔ گویا ساری عمارت پے در پے دھماکوں سے گونجنے لگی اور وہ شور .... خدا کی پناہ جیسے مردے قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف بھاگے جارہے ہوں.... چیخیں.... دھاڑیں واویلا سبھی کچھ شامل تھا اس شور میں۔

کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھڑکھڑایا.... کھلا.... اور محدود روشنی والی ننھی سی ٹارچ کی چمک دکھائی دی۔

''چلو اٹھو....!'' حمید نے انور کی آواز سنی۔ ''میری دم سے دو رسیاں بندھی ہوئی ہیں انہیں پکڑلو اور چپ چاپ میرے پیچھے چلے آؤ۔''

اس نے مڑ کر ٹارچ پیچھے کی۔ سوئٹر کے نیچے رسی کے دو ٹکڑے جھول رہے تھے۔ پھر ٹارچ بجھا دی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ سنسان عمارت کے مختلف حصوں سے گزر رہے تھے۔ عمارت کے باہر بھی شور سنائی دے رہا تھا۔ حمید نے ایک حصے میں آگ لگی ہوئی بھی دیکھی۔ وہ تینوں ہی خاموشی سے راستہ طے کررہے تھے۔ پھر وہ ایک نقب کے قریب رکے۔ دیوار سے اتنی ہی اینٹیں نکالی گئی تھیں جس سے ایک آدمی لیٹ کر بہ آسانی دوسری طرف کھسک سکتا تھا۔

ادھر بالکل سناٹا تھا۔ البتہ کمپاؤنڈ کی جانب والے شور کی مدہم آوازیں یہاں بھی سنی

جا سکتی تھیں۔ وہ یکے بعد دیگرے باہر نکل آئے۔

تشویش

''بڑے کام کا آدمی مارا گیا۔'' فریدی مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔

''مگر کس کام کا۔'' حمید نے جھلاہٹ میں رانوں پر ہاتھ مارے اور ''سی'' کر کے رہ گیا۔ شاید کسی داغ پر ہاتھ پڑ گیا تھا۔

انور سگریٹ سلگا رہا تھا۔ فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ''تم کس چکر میں تھے۔''

''میں اب اس خونخوار لڑکی کی تلاش میں ہوں جس نے بھائی کے کان۔''

''بکواس مت کرو۔'' فریدی کا موڈ بگڑ گیا۔ ''اس حماقت سے باز آؤ اور اب خاموش بیٹھو۔ تمہارا کام ختم ہو گیا۔''

انور کچھ نہ بولا۔

''لیکن....!'' فریدی نے اُسے پھر مخاطب کیا۔ ''تمہارا پاگل پن برقرار رہنا چاہئے۔ میں تمہیں بندھوا کر تمہارے فلیٹ میں بھجواؤں گا۔''

''یہ خدمت آپ میرے سپرد کر دیجئے۔'' حمید چہک کر بولا۔ ''لیکن یہ کس خونخوار لڑکی کی تلاش میں تھا۔ مجھے اس کا پتہ ضرور بتایئے۔''

''زبان بند رکھو۔''

حمید بھی خاموش ہو گیا۔ انور نے اپنی کہانی دہرائی.... پیشاب خانے میں داخل ہو کر اس نے اپنا میک اپ کسی حد تک بگاڑ دیا تھا۔ لیکن اس طرح بھی نہیں کہ انور کی حیثیت سے بہ آسانی پہچانا جا سکتا یا کوئی یہی کہہ سکتا کہ یہ وہی آدمی ہے جس کی تلاش ور گوری پولیس کو تھی۔ کوٹ بھی اتار کر پیشاب خانے ہی میں ڈال دیا تھا اور صرف سوئٹر اور پینٹ میں باہر نکلا تھا۔

پھر اس نے ہنری اور حمید کو کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر سوچا ممکن ہے اب انہیں بھی کسی جال میں پھانسا جا رہا ہو لہٰذا وہ ان کے پیچھے لگ گیا تھا۔ اس کا اندازہ درست ہی نکلا تھا کیونکہ وہ کئی گھنٹے تک عمارت سے باہر نہیں دکھائی دیئے تھے۔ پھر اس نے اس عمارت کے متعلق چھان بین شروع کی اور چند گھنٹے بعد اس کے پاس معلومات کا ذخیرہ تھا۔ وہ عمارت عیاشی کا اڈہ تھا۔ دارالحکومت کے بڑے حکام یہاں آ کر دادِ عیش دیا کرتے تھے جس کا انتظام ورگوری اسٹیٹ کے ذمہ تھا۔

انور سمجھ گیا کہ حمید اور ہنری سیکریٹری کے عتاب کا شکار ہوئے ہیں۔ وہ یہاں کسی ایسے آدمی سے ملنے آئے تھے جو فریدی کیلئے کارآمد ثابت ہوسکتا۔ لیکن وہ مار ڈالا گیا۔ اس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ وہ بھی پہچان لئے گئے ہیں۔

بس پھر اس نے دھماکے سے پھٹنے والے بہت سے پٹاخے خریدے۔ تھوڑے پٹرول کا انتظام کیا اور رات بھیگنے کا منتظر رہا۔

اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہی حمید اور ہنری کی رہائی کا باعث بنا تھا۔ ورنہ اس وقت وہ دونوں نہ جانے کہاں ہوتے۔

''بہت اچھے رہے۔'' فریدی مسکرایا۔ ''چلو تمہاری یہ بے راہ روی بھی کام آ ہی گئی۔ لیکن اب محتاط رہو۔ مجھ سے پوچھے بغیر اگر ایک قدم بھی اٹھایا تو نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔''

فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ اٹھا کر ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو....!''

''اٹ از رمیش سر۔''

''ہاں....کیا بات ہے۔''

''یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جب بھی پرنسز تارا آپ سے ملنے آتی ہے ایک آدمی چھپ کر اس کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ اس طرح کہ تارا کو بھی خبر نہ ہو۔''

''اس کے بعد وہ آدمی کہاں جاتا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''پرمود ہاؤز....وہ وہیں کے ملازمین میں سے ایک ہے۔''

''خیر دیکھا جائے گا....اور کچھ۔''

''جی نہیں۔''

''شکریہ۔'' فریدی نے ریسوررکھ دیا۔

حمید جو اُسے غور سے دیکھ رہا تھا مسکرا کر بولا۔ ''آج نہیں آئیں....کیا....!''

''بکواس کی ضرورت نہیں۔ اب تم دونوں جاسکتے ہو۔ حمید اپنی زبان قابو میں رکھو ورنہ عرصہ تک پچھتاؤ گے۔''

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے اٹھ گیا۔

خاور اپنے کمرے میں تنہا تھا۔ دفعتاً ایک برقعہ پوش عورت اندر داخل ہوئی۔ خاور اُسے ایسی حقارت آمیز نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اس کی موجودگی بھی گراں گزر رہی ہو۔

''نہیں....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''تم اپنی صورت مجھے مت دکھاؤ۔ جو کچھ کہنا ہے کہہ جاؤ۔''

''کیا بات ہوئی۔'' تارا نے غرا کر نقاب الٹی۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''اوہو....!'' خاور ہنس پڑا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوشش کر کے ہنسا ہو۔ پھر بولا۔ ''مجھے اس سے کیا سروکار کہ دنیا میں کیا ہوتا ہے۔ مجھے صرف اپنے فرائض کا خیال رکھنا چاہئے۔''

''میں نہیں سمجھی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''میں کچھ بھی نہیں کہہ رہا۔ تم اپنے کان بند کرلو اور مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اب تمہیں کیا کرنا ہے؟''

دفعتاً تارا کے چہرے پر خجالت کے آثار نظر آئے۔ ایک بار خاور سے نظریں ملیں اور خاور

نے ٹھنڈی سانس لے کر سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھوں سے غم جھانک رہا تھا۔

تارا نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے لیکن آواز نہ نکلی۔

''کچھ مت کہو۔ مجھے سب معلوم ہے۔ تم اجالے کی تلاش میں اپنی روح کو تاریکیوں میں دھکیل چکی ہو۔''

تارا نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ خاور اُسے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''کیا سارے شہر میں اس ذلیل کے علاوہ فریدی کا اور کوئی دشمن نہیں ملا تھا۔ جانتی ہو وہ کبھی تمہیں بلیک میل بھی کرسکتا ہے.... تم اندھی ہوگئی تھیں.... بتاؤ مجھے کیا اب کبھی تم اس کے جال سے نکل سکو گی۔ کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں.... وہ تمہارا غلام تھا۔ لیکن اب وہ تمہیں انگلیوں پر نچائے گا۔ تمہارا آقا بن بیٹھا ہے۔ اب اگر کبھی فریدی تمہاری طرف ملتفت بھی ہوا تو وہ اسے سب کچھ بتادے گا۔ پھر تمہاری کیا حیثیت ہوگی فریدی کی نظروں میں۔''

تارا نے چہرے پر سے ہاتھ ہٹائے بغیر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ مجھے بتاؤ وہ کب میری طرف متوجہ ہوگا۔ اسکے رویہ میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔''

''کبھی نہ کبھی ضرور آئے گا تمہاری طرف لیکن افسوس......!''

''اب کیا کہنا چاہتے ہو۔'' تارا نے جھلاہٹ میں چہرے سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ سیکریٹری اُسے سب کچھ بتادے گا۔ اس کی نظروں میں تمہیں ذلیل کردے گا۔''

''میں اُسے جان سے ماردوں گی۔'' تارا دانت پیستی ہوئی ناگن کی طرح پھپھکاری۔

''لیکن....!''

''میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ خاموش رہو۔'' وہ بیر چیخ کر بولی۔ برقعہ اٹھایا اور اس کی دھجیاں اڑادیں....اور پھر اسی عالم میں تنتناتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

خاور کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ سفاکی اور تضحیک سے بھرپور۔

سیکریٹری نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔ سنگرام دل ہی دل میں جھلس رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ رحمو والے معاملے پر نروس ہو جائے گا۔

''سنگرام....!'' اس نے کہا۔ ''تم شاید خوفزدہ ہو۔ ہاہا....چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ کالی بھیڑ خود ہی گلے سے نکل بھاگی....اور ہاں سنو کوئی تہہ خانے میں بھی داخل ہوا تھا۔''

''نہیں....!'' سنگرام نے تحیر زدہ رہ جانے کی بڑی اچھی ایکٹنگ کی۔

''ہاں....اور داخل ہونے والا فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔''

''مگر وہ یہاں داخل کیسے ہوسکا ہوگا جناب۔''

''کتے صبح کو بیہوش پائے گئے تھے۔''

''تو پھر....!'' سنگرام نے متفکرانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''تو پھر کیا رحمو تہہ خانے میں داخل ہونے کا طریقہ جانتا تھا۔''

''تم جانتے ہو۔'' سیکریٹری اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''نہیں جناب....میں کیا جانوں۔''

''تب پھر رحمو کے جاننے کے سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔ میں فریدی کو اتنا حقیر بھی نہیں سمجھتا کہ وہ کسی تہہ خانے میں داخلے کا راستہ بھی نہ تلاش کر سکے۔''

سنگرام نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور اس طرح اس کی طرف دیکھتا رہا جیسے بات سمجھ میں نہ آئی ہو۔

''لیکن....!'' سیکریٹری لاپروائی کے اظہار میں شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ ''وہ اب بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جب چاہوں اُسے ایک حقیر کیڑے کی طرح مسل کر رکھ دوں۔''

''ٹھیک ہے سرکار....لیکن میں نے یا میرے آدمیوں نے تو اس رات کے بعد سے کمپاؤنڈ کے باہر قدم ہی نہیں نکالا۔ محض اس لئے کہ کہیں اس کے شکاری کتے ہمارا خاتمہ ہی نہ

کر دیں۔''

''اوہ....!'' سیکریٹری مٹھیاں بھینچ کر بولا۔''وہ تم میں سے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ تم ورگوری اسٹیٹ کے نمک خوار ہو۔ یقین نہ ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لو اور پھر تم ڈرتے کیوں ہو اب وہ اس شہر میں نہ دکھائی دے گا۔''

''کیوں....؟''

''میں ان آفیسروں کے تبادلے کرا دیتا ہوں جو مجھے پسند نہ ہوں۔''

''مگر سرکار....ایسے مواقع پر جب اس کی بات گر رہی ہو وہ استعفیٰ تک پیش کرنے کو تیار رہتا ہے۔''

''اس کے بعد تو وہ اور بھی زیادہ آسانی سے مارا جا سکے گا۔''

''دیکھیے!'' سنگرام نے ٹھنڈی سانس لی۔

''تم اتنے مایوس کیوں ہو۔'' سیکریٹری اُسے گھورنے لگا۔

''میں اُسے سالہا سال سے جانتا ہوں جناب۔ کئی بار اسی کے ہاتھوں شکست کھا کر سلاخوں کے پیچھے جا چکا ہوں۔''

''تب تو تم ہی اُسے قتل بھی کرو گے۔ اب خوش ہو جاؤ۔''

''کاش....!'' سنگرام پھر ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

سیکریٹری ہنستا ہوا اٹھ گیا۔

اسی رات پرنسز تارا اپنی خواب گاہ میں سونے کی تیاری کر رہی تھی کہ کسی نے باہر سے دروازے کو ہولے ہولے کھٹکھٹایا۔

''کون ہے۔'' اس نے بند دروازے کو گھورتے ہوئے اونچی آواز میں پوچھا۔

''خادم....!'' باہر سے آواز آئی اور تارا کے ہونٹ نفرت سے سکڑ گئے۔ اس نے سیکریٹری کی آواز بہ آسانی پہچان لی تھی۔

''میں سونے جارہی ہوں۔'' وہ غرائی۔

''سرشام ہی.... یور ہائی نس۔'' باہر سے آواز آئی۔

''جاؤ.... فضول باتیں نہ کرو۔'' تارا جھلا گئی۔

''ذرا اسے بھی ملاحظہ فرمایئے۔'' باہر سے آواز آئی اور پھر دروازے اور فرش کے درمیانی رخنے سے ایک لفافہ اندر سرک آیا۔ تارا تیزی سے آگے جھکی اور اُسے اٹھا کر کھولنے لگی۔

یہ ایک تصویر تھی جس پر نظر پڑتے ہی تارا کے اوسان بجا نہ رہے۔ ہاتھ کانپے اور تصویر گرفت سے نکل کر فرش پر جا پڑی۔

''دیکھا آپ نے۔'' باہر سے آواز آئی۔ ''آپ کا چہرہ کیمرہ کے سامنے ہے اور خدوخال اتنے واضح ہیں کہ ایک بچہ بھی آپ کو بہ آسانی پہچان سکے گا اور میری پشت کیمرے کی طرف ہے اس لئے میرے پہچان لئے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوسکتا۔''

تارا کچھ نہ بولی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

''سنئے۔'' باہر سے آواز آئی۔ ''جس دن بھی آپ نے میرا کوئی مطالبہ ٹھکرا دیا وہ آپ کی عزت اور نیک نامی کا آخری دن ہوگا۔ اس تصویر کی ہزاروں کاپیاں ورگوری اسٹیٹ میں مفت تقسیم کردی جائیں گی۔''

تارا کی حالت ابتر ہوتی جارہی تھی۔ خاور کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

''کیا سارے شہر میں اس ذلیل کے علاوہ فریدی کا اور کوئی دشمن نہیں ملا تھا۔ جانتی ہو وہ کبھی تمہیں بلیک میل بھی کرسکتا ہے۔ کیا اب کبھی تم اسکے جال سے نکل سکو گی۔ کبھی نہیں ہرگز نہیں۔''

اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجتی رہیں.... دماغ جھنجھلاتا رہا۔ آنکھوں کے سامنے سیاہ رنگ کے گنجان دائرے تیزی سے گردش کررہے تھے۔ پھر وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے

آگے بڑھی اور دروازے کی چٹخنی گرادی۔

”بابا.... میں ڈوب رہی ہوں۔“ رشیدہ خاور کے سامنے دو زانو بیٹھی گڑگڑا رہی تھی۔
”اُسے بچایئے۔ خدا کے لئے بچایئے۔ وہ بہت کم ہوش میں رہتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں انسپکٹر فریدی اُسے پاگل خانے نہ بھجوادے۔“

”کیوں؟“

”بس بیٹھے بیٹھے اٹھتا ہے کپڑے پھاڑ کر باہر نکل جاتا ہے اور پھر انسپکٹر فریدی کی کوٹھی ہی کا رخ کرتا ہے.... اور وہاں.... اس سے جو حرکت سرزد ہوتی ہے اسے پاگل خانہ بھجوا دینے کے لئے کافی ہوگی۔“

”کیا کرتا ہے۔“

”کوٹھی پر پتھراؤ.... حلق پھاڑ پھاڑ کر گالیاں دیتا ہے انسپکٹر کو.... کئی بار وہ اُسے پکڑوا کر فلیٹ میں بھجوا چکا ہے۔ اب سنا ہے کہ اگر اس سے ایسی حرکت سرزد ہوئی تو وہ اُسے پاگل خانے ہی بھجوادے گا۔“

”یہ دنیا بڑی خود غرض ہے بیٹی۔ ہاں مجھے علم ہے کہ اس کا دماغ قابو میں نہیں لیکن اس بربادی کا باعث بھی فریدی ہی بنا ہے۔ یہ پولیس آفیسر کبھی کسی کے ہوئے ہیں۔ میں تمہیں بتاؤں شاید نہ جانتی ہو۔ ندامت نے اُس کا دماغ الٹ دیا ہے۔ اس نے فریدی کے کہنے میں اگر میرے خلاف سازشیں تیار کی تھیں لیکن پھر ندامت نے اس کا سر جھکا دیا۔ تم ڈرو مت بیٹی۔ وحیدہ بانو شاید تمہاری راہ میں اب نہ آسکے۔ ستاروں کی چال بدل گئی ہے۔“

”لیکن اُس کی ذہنی حالت اعتدال پر کیسے آئے گی.... مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میری

جگہ کسے ملے گی۔ میں تو اسے اچھی حالت میں دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''تم بہت گریٹ لڑکی ہو۔'' خاور نے کہا۔''اچھا ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم کس طرح اس کے کام آسکو گی۔''

خاور نے آنکھیں بند کرلیں۔ تقریباً پانچ منٹ تک کمرے کی فضا پر بوجھل سی خاموشی مسلط رہی پھر خاور نے آنکھیں کھول کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔''ایک ہی تدبیر ہے۔ لیکن تم سے نہ ہو سکے گا۔ بڑا کٹھن کام ہے۔ تمہاری دلیرانہ افتادطبع سے بھی واقف ہوں تم دس آدمیوں پر متواتر گولیاں برساسکتی ہو۔ پھر بھی عورت ہو۔ عورت تاریکی اور ویرانہ۔ ناممکن ہے کہ تم خوفزدہ نہ ہو جاؤ۔''

''میں اس کے لئے جان بھی دے سکتی ہوں بابا۔''

''اچھا تو سنو.... ایک ایسا تالاب تلاش کرو جس کے کنارے جامن کا درخت ہو۔ اتنا نزدیک کہ اس کا سایہ تالاب پر پڑ سکے۔ انور کی ایک ایسی ٹوپی چاہئے جسے اس نے کم از کم تین سال تک استعمال کیا ہو۔ میں ایک نقش دوں گا۔ اسے ٹوپی کے اندر رکھ کر تالاب کے کنارے جا بیٹھنا.... منگل کی رات ہونا چاہئے۔ گھڑی بالکل صحیح وقت دے رہی ہو۔ جیسے ہی بارہ بج کر ایک منٹ ہو ٹوپی میں تالاب کا پانی بھر لینا۔ مگر نہیں تم ایسا نہیں کرسکو گی۔ شہر میں تمہیں ایک بھی تالاب نہ مل سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے تمہیں ویرانوں ہی کا رخ کرنا پڑے گا۔ نہیں لڑکی اس چکر میں نہ پڑو۔ بارہ بجے رات۔ ویرانہ اور پھر تمہیں تالاب بھی ایسا تلاش کرنا پڑے گا جس کے کنارے جامن کا درخت بھی ہو۔''

رشیدہ تنی کھڑی خلاء میں گھور رہی تھی پلکیں جھپکائے بغیر .... دفعتاً اس کے ہونٹ ہلے اور دھیمی سی آواز نکلی۔''میں اس کے لئے سب کچھ کرسکتی ہوں۔ سب کچھ۔''

پھر جھرجھری سی لے کر اس طرح چونکی جیسے گہری نیند سے جاگی ہو۔

''خدا تم پر رحم کرے۔'' خاور نے بھرائی ہوئی مغموم آواز میں کہا۔''اچھا.... آج سنیچر ہے۔ دوشنبہ کو مجھ سے نقش لے جانا۔ اسی وقت ہدایات بھی دوں گا۔''

''میں بے حد شکر گذار ہوں گی بابا۔ زندگی بھر آپ کا یہ احسان یاد رکھوں گی۔''

''اچھا بس اب جاؤ.... یہ میری عبادت کا وقت ہے۔'' خاور نے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔ رشیدہ چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر مغموم انداز میں دروازے کی طرف مڑ کر پنجوں کے بل بے آواز چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔

انجام

رات کے نو بجے تھے اور یہ پہلا اتفاق تھا کہ کیپٹن اسمتھ کی گاڑی فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی۔

فریدی نے متحیرانہ انداز اختیار کر کے اس کا استقبال کیا۔ لیکن وہ فریدی کو گھورے جا رہا تھا۔ آخر کچھ دیر بعد بولا۔ ''آج حشرات الارض کی بین الاقوامی نمائش کا پہلا دن تھا۔''

''جی ہاں.... سنا تھا میں نے بھی۔''

''یہ تم نے کیا کیا فریدی۔'' اسمتھ کی آواز کانپ رہی تھی۔

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''نمائش میں تمہارے نام کا بھی ایک اسٹال ہے۔''

''جی ہاں.... میرے پاس بھی کچھ نایاب نمونے تھے۔ مجھے بھی کبھی حشرات الارض کے موضوع سے دلچسپی رہی ہے۔''

دفعتاً اسمتھ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو۔ لیکن غصے کی زیادتی کی وجہ سے مناسب الفاظ کے انتخاب کا سلیقہ فنا کر بیٹھا ہو۔

کچھ دیر بعد وہ میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''تم نے میرے ساتھ فراڈ کیوں کیا؟''

''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔''

''یاد رکھو اس کا نتیجہ بہت خراب ہوگا۔ بہت خراب۔ تم سازشی ہو بلیک میلر ہو۔ میں مہاراج کمار کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا اور اب میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ڈاکٹر ڈف اور اس کی لڑکی کے قاتل بھی تم ہی ہو۔''

''محض اس لئے کہ میرے اسٹال پر دو انسانی ہاتھ موجود ہیں۔'' فریدی مسکرایا ''اور ان ہاتھوں کی کہانی بھی وہی ہے جو میں نے کچھ دن پہلے آپ کو سنائی تھی۔ ایک ایسے کیڑے کی تصویر بھی شوکیس میں لگی ہوئی ہے جس کا کوئی وجود نہیں۔''

اسمتھ اُسے گھورتا رہا۔ فریدی پھر بولا ''بس آپ دیکھتے جایئے کہ چوہا کس طرح آتا ہے چوہے دان میں۔''

''پھر تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا کہ ڈاکٹر ڈف کے یہاں تمہیں کچھ بھی نہیں ملا تھا۔''

''یہ حقیقت تھی سوپر۔''

''پھر یہ ہاتھ کہاں ملے۔''

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ملازم نے کسی کا کارڈ چاندی کی چھوٹی سی کشتی میں رکھ کر پیش کیا۔

''اُوہ.... مہاراج کمار....!'' فریدی کارڈ دیکھ کر مسکرایا۔

''مہاراج کمار۔'' اسمتھ اچھل پڑا۔ ''اوہ فریدی تم نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔''

فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''ہمیں برآمدے میں چلنا چاہئے کیونکہ وہ آپ کے دوست ہیں۔''

وہ دونوں برآمدے میں آئے۔ مہاراج کمار کو پر جوش انداز میں ریسیو کیا گیا۔ اسمتھ کچھ جھینپا جھینپا سا نظر آیا۔ البتہ فریدی بے حد اسمارٹ لگ رہا تھا۔

پھر وہ ڈائننگ روم میں آبیٹھے۔ مہاراج کمار کے دونوں مسلح اے ڈی سی باہر ہی ٹھہرے تھے۔ اسمتھ نے محسوس کیا کہ مہاراج کمار کا موڈ بھی درست نہیں ہے اور وہ فریدی کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

یہ ادھیڑ عمر کا ایک وجیہہ اور بارعب آدمی تھا۔

''تم ہی انسپکٹر فریدی ہو۔''

''آپ کا خیال درست ہے۔'' فریدی مسکرایا۔ ''فرمایئے میرے لائق کوئی خدمت۔''

''تم کیا چاہتے ہو۔'' مہاراج کمار کی غراہٹ کمرے میں گونجی۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔''

دفعتاً مہاراج کمار نے ریوالور نکال لیا اور اسے فریدی کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ ''کیپٹن اسمتھ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم بھی اس وقت یہیں موجود ہو۔ جس بلیک میلر کا تذکرہ میں نے کیا تھا وہ یہی ہے۔ نہیں خبردار اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرنا۔ گولی ماردوں گا۔''

''آپ کو خواہ مخواہ وہم ہو رہا ہے کہ میں جنبش کرنے کی زحمت گوارا کروں گا کیونکہ یہ ریوالور خالی ہے اور آپ کا ہرگز نہیں ہے۔''

اب مہاراج کمار نے غور سے ریوالور کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے۔

''سوری.... پلیز....!'' فریدی نے اسمتھ کو مخاطب کیا۔ ''یہ میرا سرکاری ریوالور ہے۔ آج ہی غائب ہوا تھا۔''

ریوالور مہاراج کمار کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا اور فریدی نے قہقہہ لگایا۔

''پرواہ مت کیجئے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے علم تھا کہ آپ بہت غصہ ور آدمی ہیں آپ کا کارڈ دیکھتے ہی میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ آپ کہاں سے اور کس موڈ میں آئے ہوں گے لہٰذا یہ رہا آپ کا ریوالور....!''

فریدی نے اپنی جیب سے ہاتھی دانت کے دستے کا نکل پولشڈ خوبصورت سا ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ پھر وہ ریوالور بڑے احترام کے ساتھ مہاراج کمار کے سامنے پیش بھی کر دیا گیا۔

مہاراج کمار کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار بڑے مضحکہ خیز تھے۔ اسمتھ بھی مسکرایا۔ پھر مہاراج کمار گڑبڑا کر بولا۔ ''میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے اور کچھ ایسا جان پڑتا ہی جیسے بہت زیادہ دیکھا ہے لیکن کہاں.... یاد نہیں آتا۔''

''آپ نے میرے ڈیڈی کو دیکھا ہوگا۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''کیا مطلب....!''

''مجھے علم ہے کہ میرے ڈیڈی نواب عزیز الدین خان....!''

''عزیز الدین خان۔'' مہاراج کمار اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ''نواب عزیز الدین.... بائی گوڈ تم انہیں سے مشابہ ہو۔ وہ تمہارے ڈیڈی....!''

''جی ہاں۔''

''اور.... یہ انسپکٹری....!''

''ان باتوں کو چھوڑیئے.... ہاتھ اب میرے قبضے میں ہیں۔ لیکن محض ہاتھ ہی تو سب کچھ نہیں.... بائی دی وے.... سوپر اسمتھ نے یہ کیس راز داری کا حلف لینے کے بعد میرے سپرد کیا تھا اور میں عرصہ سے اس پر کام کر رہا ہوں اور اب اس منزل میں ہوں کہ ہاتھ میرے قبضے میں آچکے ہیں۔ ہاں سوپر آپ بھی سنئے۔ یہ ہاتھ مجھے ڈف کے تہہ خانے میں نہیں ملے تھے۔''

''اُوہ.... پھر....!'' اسمتھ بھی کچھ نروس سا نظر آنے لگا۔

''تاوقتیکہ پوری طرح ثبوت نہ فراہم کرلوں کسی کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتا۔'' وہ مہاراج کمار کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا اور مہاراجکمار نے گڑبڑا کر اس کے چہرے سے نظر ہٹالی۔

''لیکن....!'' فریدی نے چند لمحے ٹھہر کر کہا۔ ''جب تک کہ مجھے پورے حالات کا علم نہ ہو جائے میں اس بلیک میلر کا کیا بگاڑ لوں گا۔''

''اُوہ.... لڑکے.... لڑکے.... صرف تمہارے باپ ہی اس راز سے واقف تھے۔'' مہاراجکمار نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ پھر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''پرائیویسی۔''

''آپ کے اے ڈی سیز کے علاوہ آس پاس اور کوئی بھی موجود نہ ہوگا۔''

''میں چاہتا ہوں کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہیں۔''

''تو پھر آیئے۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ وہ انہیں اپنی تجربہ گاہ میں لے جا رہا تھا۔ اسمتھ کو ریوالور کے مسئلے نے چکر میں ڈال دیا تھا۔ فریدی نے استفسار پر بتایا۔ ''انہیں ریسیو کرتے

وقت صرف ہاتھ کی صفائی۔ میرا خالی ریوالور ان کی جیب میں نہ صرف منتقل ہوا تھا بلکہ ان کا ریوالور میری جیب میں بھی پہنچ گیا تھا۔"

"بالکل باپ کی طرح ہو۔" مہاراج کمار مضطربانہ انداز میں ہنسا۔ "لیکن تمہاری انسپکٹری میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

فریدی نے بات ٹال دی۔ اب وہ تجربہ گاہ میں کھڑے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔

"میں نے تمہاری تجربہ گاہ کے متعلق سنا ضرور تھا لیکن سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنی بڑی ہوگی۔ تم ہر معاملہ میں متحیر کر دینے کے عادی ہو۔" اسمتھ نے کہا۔

فریدی مہاراج کمار سے کہہ رہا تھا۔ "ہاتھوں کی کہانی مجھے معلوم ہے.... وہ لاش سے کاٹے گئے تھے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں اوہ.... آپ کھڑے کیوں ہیں تشریف رکھیے سو پر پلیز۔"

اسمتھ اور مہاراج کمار بیٹھ گئے۔ لیکن فریدی کھڑا رہا۔ اس کی بات جاری تھی۔

"جی ہاں میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بلیک میلر نے کس مضبوطی کی بناء پر آپ کو بلیک میل کیا تھا۔ محض ہاتھ ہی تو سب کچھ نہیں ہو سکتے۔"

مہاراج کمار نے ٹھنڈی سانس لی چند لمحے خاموش رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ بڑی دردناک کہانی ہے بیٹے اور میرے لئے باعث شرم بھی۔ لیکن جو کچھ بھی ہوا میری لاعلمی میں ہوا۔ یہ تو تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ میرے والد صاحب کو بعض الزامات کے تحت معزول کر کے اسٹیٹ مجھے سونپی گئی تھی اور والد صاحب یورپ چلے گئے تھے۔ انہیں وظیفہ ملتا تھا لیکن چونکہ بے حد فضول خرچ آدمی تھے اس لئے وہ ان کے لئے ناکافی ہوتا تھا۔ ضدی بھی تھے۔ بہر حال ان کے وہ مصارف جو وظیفے سے نہیں پورے ہوتے تھے میں پورے کرتا تھا۔ ان کا ذاتی سرمایہ بھی تھا لیکن زیادہ دنوں نہ چل سکا۔ پھر انہوں نے قرضے لینے شروع کئے ان کی ادائیگی بھی میرے ہی ذمہ تھی۔ ادا ہو جاتے۔ ایک بار کسی بات پر اتنے خفا ہو گئے کہ وظیفہ کے علاوہ اور دوسری رقومات لینے سے انکار کر دیا۔ میری شکل تک دیکھنے کے روادار نہ رہے۔ وہیں

سے ان کی بربادی کا دور شروع ہوتا ہے۔ میری امداد کو تو ٹھکرا ہی چکے تھے لیکن اپنی عادت میں کوئی تبدیلی نہ کر سکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں اپنے دونوں ہاتھ کسی بلیک میلر کے ہاتھوں فروخت کر دینے پڑے۔"

"اوہ....!" فریدی نے دائرے کی شکل میں ہونٹ سکوڑے۔

"اس نے انہیں پانچ سو پونڈ دیئے تھے اور تحریر لی تھی کہ وہ ان کی موت کے بعد ان کے دونوں ہاتھ کاٹ لینے کا مجاز ہوگا۔ دستاویزات پر ہمارا خاندانی نشان اور والد صاحب کی ذاتی مہر بھی موجود ہیں.... دستخط بھی انہیں کے ہیں.... میں نے اس تحریر کے متعلق کئی یورپین ماہرین کی رائے لی تھی وہ سب اس پر متفق تھے کہ تحریر سو فیصدی والد صاحب ہی کی ہے۔"

"لیکن وہ دستاویز آپ کے ہاتھ کیسے لگی۔"

"دستاویز کا بہت عمدہ فوٹو گراف اس نے اپنی دھمکی سمیت مجھے بھیجا تھا۔ اب تک وہ تقریباً پچاس لاکھ روپے مجھ سے وصول کر چکا ہے۔ کہتا ہے کہ جب بھی میں نے اس کے خلاف کسی کارروائی کے متعلق سوچا وہ ان ہاتھوں کی نمائش کر ڈالے گا اور دستاویز کے فوٹو کی لاکھوں کاپیاں سارے ملک میں تقسیم ہو جائیں گی۔ تم خود سوچو اس کا تصور ہی کتنا بھیانک ہے۔ یہ بدنامی۔ خدا کی پناہ۔ یعنی میرے باپ نے مفلس ہو کر اپنے ہاتھ تک فروخت کر دیئے تھے اور میں عیش کر رہا تھا اس وقت۔ میں اس سے پہلے ہی مر جانا پسند کروں گا بیٹے۔"

راج کمار نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔

"میرا خیال ہے کہ اس دوران میں اس نے آپ سے کوئی بڑی فرمائش کی ہے۔"

"میں اُسے دہرانا پسند نہیں کروں گا۔"

"خیر چھوڑیئے.... بہرحال اسی فرمائش کے سلسلے میں اس نے دھمکی دی ہوگی کہ ہاتھوں کی عام نمائش کر کے اس کہانی کی پبلسٹی کرائے گا۔ اگر اس کا مطالبہ پورا نہ کیا گیا۔"

"ہاں.... یہی بات ہے۔"

"اور آپ احتیاطاً حشرات الارض کی نمائش میں جا پہنچے۔"

''اتفاقاً نہیں۔ بلکہ کیپٹن اسمتھ نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ کہیں اسی نمائش میں یہ حرکت نہ ہوجائے۔''

''تم سے مباحثہ کے بعد۔'' اسمتھ نے فریدی سے کہا۔

''اور پھر وہ ہاتھ آپ کو میرے اسٹال پر نظر آئے۔''

''بس غلط فہمی ہوگئی تھی۔ مجھے بے حد افسوس ہے۔''

''پرواہ نہ کیجئے۔ جب تک میں اصل دستاویز بھی حاصل کر کے آپ کے حوالے نہ کردوں ہاتھ میرے ہی قبضے میں رہیں گے۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''مگر سنو۔ تم نے یہ حرکت کس بناء پر کرڈالی۔ ان ہاتھوں کو نمائش میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔'' اسمتھ نے سوال کیا۔ ''کیا وہ دستاویز کی تصاویر اب نہیں تقسیم کراسکتا۔ اب تو جھلاہٹ میں وہ بہت کچھ کرڈالے گا۔''

فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

''وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔'' فریدی نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ ''کیونکہ اب میں اُسے بلیک میل کررہا ہوں۔ ہاتھ اس لئے رکھوائے ہیں نمائش میں کہ وہ مجھے بے بس سمجھتا تھا۔ میں اُسے دکھانا چاہتا ہوں کہ آدمی خواہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو اگر معاشرہ کے لئے نقصان دہ ہے تو کسی چیونٹی ہی کی طرح ایک نہ ایک دن ضرور خاک میں مل جائے گا اس نے ہاتھ چھپا کر رکھے تھے میں نے کھلی نمائش میں رکھ چھوڑے ہیں۔ محض اس لئے کہ وہ انہیں دیکھے اور پیچ و تاب کھائے لیکن ہاتھ بھی نہ لگا سکے۔''

''اوہ....تو کیا....سک....!''

''سوپر پلیز....!'' فریدی نے اسمتھ کو ٹوک دیا اور وہ جملہ پورا نہ کرسکا۔

اسمتھ مضطرب بھی تھا۔ اس لئے اس طرح برمحل ٹوکے جانے پر نروس ہوکر جیب میں سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

ایک بار تو رشیدہ سچ مچ ڈر ہی گئی۔ کوئی بہت بڑا پرندہ کریہہ سی آوازیں نکالتا ہوا جامن کے درخت سے اڑا تھا۔ قریب تھا کہ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل جاتی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ دبالیا۔

اتنی رات گئے اس پر ہول ویرانے میں تنہا چلے آنا آسان کام نہیں تھا۔ انور کے لئے اُسے اتنی ہی تشویش تھی کہ اُسے بھی خاور کی روحانی قوتوں کا قائل ہوجانا پڑا تھا۔ ورنہ پہلے تو بہت دنوں تک وہ اس کا اور اس کے معتقدین کا مضحکہ اڑاتی رہی تھی۔ لیکن پھر جب وحیدہ بانو کے نام پر انور دیوانگی کے دوروں کا شکار ہونے لگا تو اُسے پھر خاور ہی کی چوکھٹ پر جھکنا پڑا۔ وہ پہلے اتنی ضعیف الاعتقاد بھی نہیں تھی کہ ٹوٹکے کرتی پھرتی۔ لیکن انور کی بربادی نے اُسے سب کچھ بننے پر مجبور کردیا۔

اس وقت رات کے پونے بارہ بجے تھے اور وہ شہر سے تقریباً دس میل دور ایک ویرانے میں سمٹی سمٹائی بیٹھی تھی۔ بمشکل تمام ایک ایسا تالاب مل سکا تھا جس کے کنارے جامن کا درخت بھی ہوتا۔

اس کے ہاتھ میں انور کی پرانی فلٹ ہیٹ تھی جس کے اندر خاور کا دیا ہوا نقش رکھا تھا۔ ٹھیک بارہ بجکر ایک منٹ پر اسے اس میں تالاب کا پانی بھر لینا تھا پھر اس وقت تک اُسے پانی کی سطح سے اوپر اٹھائے رکھنا پڑتا جب تک کہ سارا پانی فلٹ ہیٹ سے چھن کر دوبارہ تالاب میں نہ گر جاتا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس میں بھی کافی وقت صرف ہوگا۔ فلٹ سے پانی کا گزرنا آسان تو نہیں.... ممکن ہے کہ صبح تک بیٹھنا پڑتا۔

وہ بار بار ریڈیم ڈائل والی گھڑی دیکھ رہی تھی۔

اب بارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے.... یوں بھی سردی شباب پر تھی۔ پھر یہاں کھلے میں اس طرح بیٹھے رہنا آسان تو نہیں تھا۔ کبھی کبھی وہ اتنی شدت سے اپنے دانت بھینچتی کہ

جبڑوں میں چٹخن سی ہونے لگتی۔

پھر وہ لمحہ بھی آ پہنچا جب وہ جھک کر فلٹ ہیٹ میں پانی بھر رہی تھی۔ دفعتاً ایسا محسوس ہوا جیسے ناک کے رستے حلق میں مرچوں کی دھانس سا گئی ہو۔ وہ کھانسنے لگی۔ ایسی جھٹکے دار کھانسیاں تھیں کہ پانی سے بھری ہوئی فلٹ ہیٹ ہاتھوں میں نہ سنبھل سکی۔

پھر وہ بے تحاشہ کھانستی ہوئی پیچھے ہٹی۔ ہر کھانسی کا جھٹکا سر میں ایسی ہی دھمک پیدا کرتا جیسے کوئی مغز پر ہتھوڑا چلا رہا ہو اور ہر ضرب پر رات کی تاریکی میں بتدریج مزید اضافہ ہو رہا ہو۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ وہ تو اسی طرح کھانستے کھانستے چکرا کر گری تھی اور بیہوش ہو گئی تھی۔

ٹھیک اسی وقت تالاب کے کنارے والی اونچی جھاڑیوں سے ایک طویل قامت انسانی سایہ ابھرا اور تیزی سے رشیدہ کی طرف جھپٹا۔ کیا مجال کہ جھاڑیاں سرسرائی بھی ہوں۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ اُس پر جھکا ہوا تھا۔ پھر اُس نے اُسے ہاتھوں سے اٹھایا اور تالاب سے دور ہٹ کر پھر زمین پر ڈال دیا۔

''خبر دار۔'' کی آواز کے ساتھ ہی سائے پر جامن کے درخت سے گویا روشنی کی بارش ہو گئی۔ سایہ بھی تیزی سے جامن کی جانب مڑا۔ غالباً درخت پر سرچ لائٹ روشن تھی جس کا فوکس نیچے کی جانب تھا۔ سائے کے ہاتھ میں ریوالور نظر آیا۔

''ریوالور زمین پر ڈال دو۔'' سامنے والی جھاڑیوں سے آواز آئی۔

''ہاہا....انور....آؤ آؤ میرے بچے۔'' سائے نے کہا۔

انور نے سامنے والی جھاڑیوں سے سائے کی طرف چھلانگ لگائی لیکن اب وہ سایہ تو نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ اس کے آس پاس روشنی ہی روشنی تھی۔

''بابا خاور....!'' انور کی ساری تیزی دھری رہ گئی۔

''ہاں میرے بچے۔''

''آپ یہاں۔''

''ہاں میرے بچے....ستاروں کی چال۔''

رشیدہ زمین پر چت پڑی تھی۔

''لیکن تم نے اس کا کوٹ کیوں اتار دیا ہے۔'' انور غرایا۔

''خود ہی دیکھ لو۔'' خاور نے لاپروائی سے کہا۔ ''اگر مجھے یہاں پہنچنے میں ایک منٹ کی بھی دیر ہوتی تو یہ زندہ نہ ہوتی اس وقت....قریب آؤ.... یہ دیکھو....اس کی پیشانی پر کیا ہے۔ اچھا جلدی کرو....اسے اٹھا کر میری گاڑی تک لے چلو....لیکن ٹھہرو۔ کیا اس وقت تم ہوش میں ہو۔''

''ہوش میں نہ ہوتا تو اس جامن پر سرچ لائٹ کہاں سے آتی.... بوڑھے گیدڑ۔'' انور نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

بائیں جانب والی جھاڑیوں سے کیپٹن اسمتھ دانت پر دانت جمائے خاور کو گھور رہا تھا۔

''اب دیر کیوں کر رہے ہو۔'' اس نے فریدی سے سرگوشی کی۔ ''سمجھ میں آ گیا اس سؤر کے بچے کا طریق کار۔''

جھاڑیوں کے باہر انور بھی خاور کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

''بیوقوف لڑکے۔'' خاور نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''تم اس وقت بھی ہوش میں نہیں ہو۔ تمہارے ریوالور کی گولی میرے جسم سے اسی طرح گزر جائے گی جیسے کوئی چیز پانی میں گرتی ہے۔ پانی کی سطح دوبارہ اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہے۔ کرو فائر....احمق کہیں کے۔ یہ بیوقوف لڑکی تو ڈر کے مارے بیہوش ہوگئی....ورنہ میں نے اسے یہی دکھانے کی لئے یہ اسکیم بنائی تھی کہ انور تمہیں اور مجھے کس طرح بیوقوف بنا رہا ہے۔ اندھے لڑکے میں غیرفانی اور لامحدود ہوں۔ بلاؤ اپنے آدمیوں کو اور کرگزرو جو کچھ کرنا چاہتے ہو۔''

''کیا میں تنہا کافی نہیں تمہارے لئے۔'' انور کا لہجہ زہریلا تھا۔ ''میرے ساتھ کوئی بھی

نہیں ہے۔''

''پھر یہ سرچ لائٹ۔''

''یہ اس لئے لگائی تھی کہ تمہاری تصویر آسانی سے لی جاسکے۔''

''تو اب مجھے بھی بلیک میل کرو گے۔'' خاور ہنس پڑا۔

''ہاں.... یہ دیکھو....!'' انور نے شانے سے لٹکے ہوئے کیمرے کی طرف اشارہ کیا۔

''میں نے اس وقت تمہاری تصویر لی ہے جب تم رشیدہ کا کوٹ اتار رہے تھے۔''

''اچھی بات ہے۔'' خاور غرایا۔ ''جہنم میں جاؤ۔ میں جارہا ہوں۔ تم مجھے ضرور بلیک میل کرنا۔''

وہ مڑا ہی تھا کہ انور نے ریوالور جیب میں ڈالتے ہوئے اس پر چھلانگ لگائی لیکن خدا کی پناہ۔ خاور تو اس طرح پلٹا تھا جیسے سر کے پچھلے حصے پر بھی دو آنکھیں رکھتا ہو۔ اس کا ہاتھ انور کی کنپٹی پر پڑا اور انور تیورا کر گر پڑا۔ انور سے اندازے کی غلطی ہوئی تھی۔ لہٰذا یہ حملہ غیر متوقع ہی ثابت ہوا۔ نتیجہ ظاہر ہے.... ہاتھ ایسا ہی جچا تلا تھا کہ وہ پھر نہ اٹھ سکا۔ ذہن اندھیرے میں ڈوبتا ہی چلا گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ بھی رشیدہ ہی کے پاس بیہوش پڑا تھا۔

فریدی کا مووی کیمرہ بے آواز چل رہا تھا۔ دفعتاً اسمتھ نے لینس پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھلا کر کہا۔ ''ختم بھی کرو۔ وہ درندہ ہوتا جارہا ہے۔''

فریدی نے کیمرے کی حرکت روک دی اور اُسے وہیں جھاڑی میں ایک طرف رکھتے ہوئے خاور کو للکارا۔ اس بار خاور بُری طرح اچھلا.... لیکن قبل اس کے کہ اس کا ہاتھ جیب میں داخل ہوسکتا فریدی اس کے سر پر تھا۔

خاور اس سے لپٹ پڑا.... دوسری طرف سے کیپٹن اسمتھ خاور کو گالیاں دیتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ہتھکڑیوں کا جوڑا تھا۔

خاور کسی چکنی مچھلی کی طرح فریدی کی گرفت سے نکل گیا۔ وہ ایک طرف دوڑا جارہا تھا چشم زدن میں سرچ لائٹ کے فوکس کے دائرے سے بہت دور جا نکلا۔ فریدی نے قریب ہی کی ایک جھاڑیوں کے سلسلے میں چھلانگ لگائی تھی اور اسمتھ بے تحاشہ خاور کے پیچھے دوڑا جارہا

تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں اس کا ہیولا اُسے صاف نظر آ رہا تھا۔

یک بیک اسمتھ کو خیال آیا کہ کہیں وہ پلٹ کر فائر نہ کر دے۔ اس کے پاس ریوالور بھی موجود ہے۔ پھر اُس نے سوچا ممکن ہے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر وہ نکل ہی نہ جائے۔ کیوں نہ فائر کیا جائے۔ اس کے خلاف واضح ترین ثبوت فریدی کے مووی کیمرہ میں موجود ہے اور اسمتھ تو اس کے خلاف اس وقت سرتاپا زہر ہو رہا تھا جس شخص کا آج تک اس قدر احترام کرتا آیا تھا اسے ایسی حرکات کا مرتکب ہوتے دیکھ کر وہ اچانک ابھرنے والی نفرت کو کیسے دبا سکتا تھا۔ بس پھر اس نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنا ریوالور نکالا اور خاور کے دھندلے سائے پر جھونک مارا۔

ایک چیخ سناٹے میں گونجی اور سایہ لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔

کسی طرف سے فریدی نے آواز دی۔ ''یہ کیا ہوا۔''

''آؤ.... میں نے مار لیا ہے۔'' اسمتھ نے اونچی آواز میں کہا۔ وہ خاور کی لاش سے قریب ہی تھا۔

دفعتاً لاش نے اس پر چھلانگ لگائی اور بے خبری میں دبوچ لیا۔ گرفت آہنی تھی۔ اسمتھ نے محسوس کیا کہ وہ تو ہاتھ پیر بھی نہ ہلا سکے گا۔

فریدی جھاڑیاں پھلانگتا ہوا ان کی جانب جھپٹ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک کراہ سنی اور صرف ایک سائے کو بھاگتے دیکھا۔

''ٹھہریئے سوپر۔'' اس نے آواز دی۔ ''میں یہاں ہوں.... کیا ہوا۔ کیا وہ مر گیا۔''

سایہ رک گیا۔

لیکن جیسے ہی فریدی قریب پہنچا اس نے اس پر بھی چھلانگ لگائی۔ اب فریدی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن وہ ہوشیار ہو چکا تھا۔ خاور کی پیش نہ گئی فریدی نے اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ٹانگ ماری اور وہ دھڑام سے نیچے چلا گیا۔ خاور اتنا احمق نہیں ہو سکتا تھا کہ مسلح ہونے کے باوجود بھی لپٹا جھپٹی کی حماقت اس سے سرزد ہوتی۔ حقیقتاً اس کا ریوالور اسی وقت جیب سے گر گیا تھا جب جامن کے درخت کے نیچے فریدی سے پہلی جھڑپ ہوئی تھی۔

خاور نے پھر اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس بار اس کے سینے پر ایک زوردار ٹھوکر پڑی اور فریدی مضطربانہ انداز میں چیخا۔ ''سوپر.... سوپر.... آپ کہاں ہیں۔''

لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے پھر پکارا لیکن بے سود۔ پھر وہ خاور سے بھڑا ہوا اسے پکارتا ہی چلا گیا۔

آخر اس نے خاور سے کہا۔ ''ذلیل آدمی میں ہوشیار ہوں۔ تمہارا حربہ مجھ پر کامیاب نہیں ہوگا۔ اب آخری سفر کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

''میں تمہیں کتے کی موت مار ڈالوں گا۔'' خاور دانت پیس کر غرایا۔ لیکن شاید اسے اپنا کوئی مقابل بھی پہلی ہی بار ملا تھا۔ یک بیک فریدی نے اُسے دونوں ہاتھوں پر بلند کر کے زمین پر دے مارا۔ خاور کی چیخ کریہہ اور طویل تھی۔

انگریز آئی جی کیپٹن اسمتھ کی لاش کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

''مگر یہ مرا کیسے۔'' اس نے فریدی سے کہا۔

''اس کا جواب یا تو پوسٹ مارٹم دے سکے گی یا مسٹر بارن۔'' فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''کیا بک رہے ہو۔'' آئی جی اس پر چڑھ دوڑا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔'' فریدی نے خاور کی طرف اشارہ کیا جو ایک کرسی میں رسی سے جکڑا ہوا تھا۔ ''یہ بارن ہے.... رانا پرمود کا سیکریٹری بارن.... ڈاکٹر ڈف اور اس کی لڑکی کا قاتل.... سوپر اسمتھ کا قاتل۔ سوپر کی گردن پر بھی دانتوں کا نشان موجود ہے۔ کالر ہٹائیے۔''

آئی جی مضطربانہ انداز میں لاش پر جھکا اور پھر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''ہاں نشان ہے

مگر تم نے بارن بارن کی کیا رٹ لگا رکھی ہے۔"

فریدی اُسے کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھا اور خاور کے ہاتھی جیسے کان پکڑ کر کھینچنے لگا۔ لیکن خاور کے چہرے پر کرب یا تکلیف کے آثار نہ دکھائی دیئے۔ زبان سے بھی کچھ نہ نکلا۔ وہ تو سکتے کی سی حالت میں تھا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" آئی جی گرجا۔ "میری موجودگی میں تشدد۔"

"نہیں جناب۔" فریدی مڑ کر پرسکون انداز میں مسکرایا۔ "اگر میں کسی کی آستین پکڑ کر کھینچوں تو اُسے تشدد نہیں کہیں گے.... البتہ بداخلاقی ضرور ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو۔"

"آستین کھینچی تھی میں نے.... یہ دیکھئے۔" فریدی خاور کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر چاروں طرف کچھ ٹٹولنے لگا۔ خاور اب بھی کسی بت ہی کی طرح بیٹھا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں تک جنبش نہیں کررہی تھیں۔ پلکیں جھپکانا تو بڑی بات۔

دفعتاً دوسرا ہاتھ بھی گریبان ہی میں رینگ گیا اور اب فریدی کچھ اس طرح زور کررہا تھا جیسے کسی چیز کو اس کی جگہ سے اکھاڑنے کی کوشش کررہا ہو۔ یک بیک خاور کے چہرے سے ایک چھلکا سا اتر گیا۔

"مسٹر بارن۔" آئی جی بوکھلا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"مسٹر بارن۔" فریدی نے طویل سانس لی اور بے تعلقانہ انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

پھر خود اس نے سکوت توڑا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "اگر اتفاقاً مجھے اس آدمی کی انگلیوں کے نشانات نہ دستیاب ہوجاتے تو شاید میرے فرشتے بھی اندازہ نہ کرسکتے کہ خاور ہی بارن بھی ہوسکتا ہے۔ اس پر ایک شخص ڈینی کے قتل کا الزام بھی عائد کیا جاسکتا ہے۔"

دوسرے لوگ بارن کو حیرت سے دیکھ رہے تھے کیونکہ اسکے اصل کان غائب تھے اور ان کی جگہ صرف دو سوراخ نظر آرہے تھے۔ غالباً اسی لئے وہ اس قسم کی پگڑی استعمال کرتا تھا جس

کے نیچے کانوں کے سوراخ چھپ سکتے اور کانوں کی غیر موجودگی بھی نہ ظاہر ہوسکتی۔

''یہ جنسی جنونی ہے۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''اس لئے دوہری زندگی گزار رہا تھا۔ اس کے گرد عورتوں کی بھیڑ رہتی تھی ایک طرف وہ انہیں کسی راہ پر لگاتا تھا اور دوسری طرف بارن ہی یا خاور کی حیثیت سے وہاں موجود ہوتا تھا۔ عورتوں کو بیہوش کر دینے کے لئے ایک قسم کا خواب آور سفوف استعمال کرتا تھا۔ ادھر کچھ دنوں سے بہت زیادہ محتاط ہوگیا تھا یعنی میرے خوف سے بارن کی حیثیت سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ اس لئے اس وقت ہم نے اسے خاور ہی کے روپ میں دیکھا تھا۔ ورنہ خاور کے روپ میں کسی پر حملہ نہ کرتا ہوگا کیوں دوست بارن۔ مگر اب تمہارے حلق سے آواز نہ نکلے گی۔''

لیکن خلاف توقع لوگوں نے بارن کا قہقہہ سنا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''تم جیت گئے واقعی بڑے جیالے ہو۔ میں دل سے تمہاری قدر کرتا ہوں.... اور میں ہاں میں جنسی جنونی ہوں۔ اذیت رساں ہوں.... ایذا طلب ہوں لذت کا متلاشی۔ خواہ وہ کسی صورت میں ملے۔''

اس نے خاموش ہوکر سسکاری لی اور اس کی آنکھیں نیم وا سی نظر آنے لگیں۔ نشے میں ڈوبی ہوئی خواب ناک سی.... بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ کسی لذت انگیز تصور سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں قاتل ہوں۔ تم صرف تین کی بات کررہے ہو۔ میں درجنوں کا قاتل ہوں۔ کاش تم میں سے کوئی اس وقت بھی میرے دانت اپنے جسم میں چبھتے محسوس کر سکتے۔''

اس نے دانت پر دانت جما کر سسکاری لی.... آنکھیں کچھ اور نشیلی ہوگئیں۔

مہاراج کمار بہت نروس نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خود اپنے لئے پھانسی کے احکام کا منتظر ہو۔

''آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں۔'' فریدی مسکرایا۔ ''بلاشبہ وہ پھانسی پا جائے گا۔ لیکن یقین کیجئے کہ آپ کے معاملات اس کی زبان پر نہیں آئیں گے۔''

''عدالت میں اس کی زبان کون روک سکے گا۔ وہ مجھے یقیناً ذلیل کرے گا ور گوری سے ہمارے کچھ کھلے ہوئے تنازعات بھی چل رہے ہیں۔''

''آپ مطمئن رہئے.... وہ قطعی زبان نہیں کھولے گا۔ ذرا یہ تو سوچئے کہ اس نے اسی دوران میں آپ کا راز کیوں نہیں ظاہر کر دیا جب میں نے وہ ہاتھ اپنے اسٹال پر رکھوائے تھے۔ چاہتا تو اسی وقت دستاویز کی عکسی تصویریں کم از کم آپ کی اسٹیٹ میں تو تقسیم کرا ہی دیتا۔''

''مجھے خود بھی حیرت ہے کہ اس نے ایسا کیوں نہیں کیا۔''

''نہیں کر سکتا ہے۔ اُسے خدشہ لاحق ہے کہ میں اس کی روح کو شاید دوسری دنیا میں بھی سکون سے نہ رہنے دوں۔''

''کیا مطلب....؟''

''یہ ایک راز ہے جسے میں صرف اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں اس سے ان ہاتھوں کے متعلق سارے کاغذات بھی حاصل کرلوں گا۔''

مہاراج کمار کچھ دیر بعد چلا گیا اور پھر ملازم نے پرنسز تارا کا کارڈ پیش کیا جو دیر سے آؤٹ ہاؤز میں اس کی منتظر تھی۔ لیکن ملازم کو ہدایت کر دی تھی کہ مہاراج کمار کی موجودگی میں اس کا کارڈ پیش نہ کیا جائے گا۔

فریدی خود ہی آؤٹ ہاؤز تک آیا۔ اسے ڈائننگ روم میں نہیں بلوایا۔ لیکن تارا جس حال میں بھی نظر آئی فریدی کے لئے غیر متوقع تھا۔ بال پریشان، آنکھیں سرخ، پلکیں اتنی متورم تھیں جیسے کئی دن سے متواتر روتی رہی ہو۔ ہونٹوں پر پپڑیاں تھیں اور چہرے کا گندا پن کہہ رہا تھا جیسے کبھی آئینہ دیکھنے کی بھی زحمت نہ گوارہ کی جاتی ہو۔

وہ آرام کرسی پر پڑی اونگھ رہی تھی۔ فریدی کی آہٹ پر چونک پڑی۔

بس وہ اُسے کسی سحر زدہ کی طرح گھورے جا رہی تھی۔ پلکیں جھپکائے بغیر۔

''میں تمہیں اپنی کہانی سنانے آئی ہوں۔'' دفعتاً وہ اتنی اونچی آواز میں بولی جیسے فریدی بہرہ ہو۔ ''سنو گے۔ تمہیں سننی پڑے گی کیونکہ میں تمہاری وجہ سے لٹ گئی ہوں۔ مجرم تمہارے قبضے میں ہے لیکن کیا تم مجھے وہ چیز واپس دلا سکو گے جو محض تمہارے لئے لوٹی گئی تھی۔''

''میں نہیں سمجھا! محترمہ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''نہیں سمجھو گے....اچھا تو سنو۔''

وہ چیخ چیخ کر اپنی کہانی دہرانے لگی اور فریدی کے چہرے کا رنگ اڑتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوئی تو اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے خود اس نے ہزاروں میل کا سفر پیدل طے کیا ہو۔ چہرہ زرد ہو گیا تھا اور پیروں کی قوت جواب دینے لگی تھی۔ وہ ایک آرام کرسی کے ہتھے سے ٹک گیا۔

تارا آنکھیں بند کئے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ دفعتاً وہ اٹھی اور بولی ''بارن.... یا خاور....میری موت کا باعث نہیں۔ تم ہو....تم....!''

''مگر محترمہ۔ مجھے کیا پتہ کہ آپ میرے متعلق کیا سوچتی رہی ہیں۔ آپ مجھے کیوں الزام دے رہی ہیں اور پھر یہ بات....یعنی کہ۔'' فریدی ہکلا کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ کیا کہے۔ یہ وہ عظیم ترین فریدی تھا جس نے بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں توڑی تھیں....الجھی ہوئی گتھیاں سلجھانے کا ماہر تھا۔ وہ ہکلا رہا تھا۔ ایک لڑکی کے اظہار عشق پر....اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ جواب میں اس سے کیا کہے۔

''اوہ....سنبھالو.... مجھے۔'' تارا لڑکھڑاتی ہوئی چیخی۔ فریدی نے جھپٹ کر اُسے بازو کا سہارا دیا اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائی۔

''میں اسی طرح مرنا چاہتی تھی۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''کیا تم مجھے یاد رکھو گے۔''

فریدی کے ہاتھ کانپنے لگے....اور وہ جلدی سے بولی۔ ''نہیں....خدا کے لئے صرف چند لمحے اور مجھے اسی طرح اپنے ہاتھوں پر سنبھالے رہو۔ یہ میری آخری خواہش ہے۔ پھر کبھی نہیں آؤں گی کوئی خواہش ظاہر کرنے.... میں نے زہر پیا تھا۔ لیکن توقع نہیں تھی کہ اس طرح

مر سکوں گی جیسے چاہتی تھی۔ خدا کا شکر ہے....اُو....دیکھو ادھر دیکھو میری طرف۔''

وہ مسکرائی اور اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں۔ لیکن ہونٹ اب بھی مسکراہٹ کے سے انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔ البتہ جسم روح سے خالی ہو چکا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد اس کی بھینچی ہوئی مٹھی سے ایک پرچہ نکالا گیا جس پر تحریر تھا۔

''میں زہر پی کر بارن کے ایک جرم کی تفصیل بتانے آئی ہوں۔

انسپکٹر فریدی کا میری موت سے کوئی تعلق نہیں۔ میں انسپکٹر فریدی کو سب کچھ بتادوں گی۔

تارا آف ورگوری اسٹیٹ۔''

فریدی دروازے کی سلاخیں پکڑے بارن کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

''میں مہاراج کمار کو خاک میں ملادوں گا۔'' بارن آنکھیں نکالے کہہ رہا تھا۔ ''ذرا عدالت میں تو پیش ہونے دو مجھے۔''

''تارا نے زہر کھالیا مر گئی۔'' فریدی نے پرسکون آواز میں کہا۔

''کیا....!'' بارن دہاڑ کر اٹھا۔

''ہاں....رانا پرمود....!''

''اوہ....!'' وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا اور دیوار سے ٹک کر ہانپنے لگا۔ فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''رانا پرمود....اب صرف میں ہی اس راز سے واقف ہوں کہ تم رانا پرمود ہو۔ وہ بوڑھا بھی تمہارے ہی ہاتھوں مارا جا چکا ہے جو تمہارے راز سے واقف تھا۔ وہ ورگوری کے ولنگڈن ہوٹل میں اس وقت مارا گیا تھا جب میرے آدمی اس سے ایک سر بند لفافہ حاصل

کرنے کے لئے وہاں اس کے منتظر تھے۔ لفافہ ورگوری پولیس کے انسپکٹر نے غائب کر کے تم تک پہنچا دیا تھا اور تم مطمئن ہو گئے تھے کہ تمہارا راز مجھ تک نہیں پہنچ سکا لیکن یہ تمہارا وہم ہے۔ آج سے دس سال پہلے مجھے تمہارے متعلق جرمنی کے ڈاکٹروں سے معلوم ہوا تھا۔ وہی ڈنٹسٹ جس نے تمہارے لئے وہ زہریلا دانت ڈھائی ہزار پونڈ میں بنایا تھا۔ بہرحال اس وقت مجھے تمہاری ذات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ میں نے تمہیں بارن کی حیثیت سے بھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ صرف نام سنا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ خاور کے چہرے پر مجھے پلاسٹک میک اپ کا گمان بھی نہیں تھا۔ اگر ایک بار بھی تم مجھے کہیں نظر آ گئے ہوتے تب تو میں یقینی طور پر خاور کو بھی پہچان لیتا۔ بہرحال وہ بوڑھا جسے تم نے ولنگڈن میں قتل کرایا تھا خود ہی آیا تھا میرے پاس.... کیونکہ اُس نے بھی تمہیں اچانک ہی دیکھا تھا اور....!''

''بس خاموش رہو۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔ چند لمحے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپائے رہا پھر اسی طرح چہرہ ڈھانپے ہوئے بولا۔ ''سنو.... میں بالکل بے قصور ہوں۔ بچپن ہی سے کریک تھا اور میرا باپ بھی جنسی جنونی تھا اور ماں بھی ایسی ہی تھی۔ وہ اتنے بیہودہ تھے کہ خیر ہٹاؤ.... میں اس وقت صرف پندرہ سال کا تھا.... میری ایک بڑی سوتیلی بہن تھی۔ ان دنوں فرانس سے آئی تھی اور لندن میں ہمارے ہی ساتھ مقیم تھی۔ ایک رات جب میں ایک خادمہ کے لئے مضطرب تھا اسی کے دھوکے میں میں نے اس سوتیلی بہن کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ وہ چیخی تھی.... باپ جاگ پڑا.... وہ بہت غصہ ور بھی تھا۔

بس پاگل ہو جاتا تھا۔ اس نے مجھے زمین پر گرا کر میرے دونوں کان کاٹ دیئے تھے۔ میں رات بھر بیہوش پڑا رہا تھا۔ پھر یہ بات چھپائی گئی تھی۔ وہی بوڑھا جس نے تمہیں کچھ بتانے کی کوشش کی تھی ہمارا ملازم تھا اور میرے کان اسی کے سامنے کاٹے گئے تھے۔ اس سے راز داری کا حلف اٹھوایا گیا کہ وہ کسی سے اس کا تذکرہ کبھی نہ کرے گا۔ اس کے معاوضے کے طور پر اسے ایک بڑی رقم بھی دی گئی تھی۔ لیکن پھر جب اس نے مجھے بارن کے روپ میں Incest کا مرتکب ہوتے دیکھا تو تمہارے پاس دوڑا آیا ہوگا۔ کاش مجھے پہلے ہی معلوم

ہو جاتا۔ میں اُسے کبھی زندہ نہ چھوڑتا لیکن ٹھہرو.... مجھے اپنی حرکتوں پر ندامت نہیں ہے کیونکہ مجھ پر بھی ظلم ہوا تھا۔ خواہ مخواہ میرے کان کاٹے گئے تھے اس وقت مجھ میں Incest کا رجحان موجود نہیں تھا۔ اس کے بعد پھر نہ جانے کیوں میں خطرناک قسم کا جنسی جنونی بنتا گیا۔ شاید ہی کوئی مقصدی یا Orjective قسم کا deviation مجھ سے بچا ہو۔ میں نے زہریلا دانت اسی لئے بنوایا تھا کہ خود کو ایک خونخوار اژدھا محسوس کر کے مجھے جنسی تلذذ حاصل ہوتا تھا۔ تم ڈاکٹر ڈف کے متعلق سوچ رہے ہو گے۔ وہ دراصل میرا راز دار تھا اور وہ بھی میری ہی طرح جنسی جنونی تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ تم اس کی طرف متوجہ ہونے لگے ہو۔ خصوصیت سے اس وقت جب بین الاقوامی نمائش شروع ہو رہی ہے تو مجھے شبہ ہوا اور میں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ کمزور دل کا آدمی تھا یقینی طور پر سب کچھ اگل دیتا۔ لیکن اب میں تم سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بارن ہی کی حیثیت سے مرجانے دو۔ رانا پرمود کی حیثیت سے نہیں۔ میں مہا راجکمار والا معاملہ اپنی زبان پر نہیں لاؤں گا.... اس کے برعکس ہوا تو....''

''ہاں میں جانتا ہوں.... تمہاری بہتیری بھانجیاں اور بھتیجیاں بھی خودکشی کر لیں گی۔''

''نہیں.... مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کون مرتا ہے کون زندہ رہتا ہے۔ میں رانا پرمود اپنے آباؤ اجداد کی بدنامی کا باعث نہیں بننا چاہتا۔ اس خاندان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ اگر میں نے رانا پرمود کی حیثیت سے پھانسی..... ہائے پھانسی.... ہائے پھانسی۔''

اس نے خاموش ہو کر سسکاری لی اور اس کی آنکھیں نشیلی ہو گئیں۔ جسم کانپ گیا۔

لیکن یہ خوف کی حالت تو نہیں تھی۔ لذت سو فیصدی کسی قسم کی لذت کا احساس تھا جس کے تحت جسم کانپا تھا۔ آنکھیں چڑھتی چلی گئی تھیں۔

پھر وہ آہستہ آہستہ اعتدال پر آ گیا اور اب اس کے ہونٹوں پر ایک جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ تھی اور اس نے اپنی طرف سے فریدی کا دھیان ہٹانے کے لئے ہنس کر کہا تھا۔ ''تم بہت چالاک آدمی ہو پیارے.... تم میرے اس سانپ سے بھی مرعوب نہیں ہوئے تھے جو تم پر چھت سے گرا تھا۔ شاید تم نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ چھت میں کوئی میکنزم موجود ہے۔''

''اس دانت کا تم پر کیوں نہیں اثر ہوتا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''میں خود بھی زہریلا ہوں نشہ کے لئے سنکھیا استعمال کرتا ہوں۔'' پرمود نے قہقہہ لگایا۔

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''میرا بس چلے تو میں اپنے دانت تمہارے نرخرے میں پیوست کردوں۔ ذلیل آدمی۔ تم نے میری آڑ میں تارا کا شکار کیا تھا۔ ورنہ کم از کم وہ تو تم سے محفوظ ہی رہتی۔''

''چلے جاؤ۔'' وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ ''چلے جاؤ.... میرا موڈ نہ خراب کرو۔ میں اس وقت پھانسی کے تصور سے شہد نچوڑ رہا ہوں۔'' اس کی آنکھیں پھر نشیلی ہوگئیں اور جسم بھی کانپنے لگا۔

فریدی سوچ رہا تھا۔ تارا بہرحال سکون سے مری۔ اگر اسے بارن کی اصلیت معلوم ہوجاتی؟

ختم شد